رسائل امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ



مترجم

مولانا محمد زکریا صاحب

(بن میاں محمد باقر رحمہ اللہ)

دار الکتب السلفیۃ


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

(طبع سوم)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔

افادات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تیسری اشاعت آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس کی پہلی طبع مترجم مرحوم نے خود تقریباً ۱۹۴۶ء میں طبع کرائی تھی۔ پھر بتوفیقہٖ تعالیٰ برسوں کی نایابی کے بعد طبع دوم ''المکتبۃ السلفیۃ'' نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ ۱۹۷۲ء میں شائع کی تھی۔

اب الحمدللہ اس کی طبع سوم ''المکتبۃ السلفیۃ'' پہلی دونوں اشاعتوں سے خوبصورت اور جاذب انداز میں پیش کر رہا ہے۔امید ہے کہ قارئین حسبِ سابق پذیرائی بخشیں گے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم اس صدقہ جاریہ کا مرحوم مترجم اور ان کے والد گرامی مولانا میاں محمد باقر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ......م ۱۳۹۵ھ......۱۹۷۵ء کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور طالبانِ حق کے لیے اس کو نافع اور مفید بنائے۔آمین۔

احمد شاکر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

کتاب ''افاداتِ ابن تیمیہ'' شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ اوران کے تلمیذِ رشید حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اول الذکر کے آٹھ رسالوں کا ترجمہ ہے جن سے چھ رسالے مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (طبع مصر) میں ہیں اور وہ یہ ہیں ① زیارت بیت المقدس ② قضاء وقدر ③ عبادات میں نیت ④ مسائل نیت ⑤ الوصیۃ الکبریٰ ⑥ اور درجات الیقین ⑦ اور دو رسالے۔ ہجر جمیل، صفح جمیل اور صبر جمیل ⑧ اور فقر وتصوف مجموعۃ الرسائل والمسائل ⑨ (الشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ) جلد اول میں طبوع ہیں۔ جس کو سید علامہ محمد رشید رضا مرحوم نے اپنے ''مطبعۃ المنار (مصر)'' سے عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔

اور آخر الذکر کی مشہور اصلاحی اور ادبی کتاب روضۃ المحبین کے آخری باب الباب التاسع والعشرون فی ذم الھویٰ وما فی مخالفۃ من نیل المنٰی کا ترجمہ ہے۔ جس پر عنوان ارشاد الوریٰ الی ذم الھویٰ۔ مترجم مرحوم کا اپنا ہے۔

اس کتاب کو اس کے مترجم مولانا محمد زکری (ولادت ۱۳۳۲ھ وفات ۱۳۶۸ھ) بن مولانا میاں محمد باقر صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ (ساکن جھوک دادو طور ضلع لائل پور) نے قبل تقسیم شائع کیا تھا۔ تاریخ طبع درج نہیں۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے شاید ۱۹۴۶ء کے لگ بھگ امرتسر (مرحوم) کے ثنائی برقی پریس میں طبع ہوئی تھی۔

برسوں کی نایابی کے بعد ''المکتبۃ السّلفیہ'' کو طباعتِ ثانیہ کی بتوفیقہٖ تعالیٰ سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اشاعتِ حاضرہ میں سہولت قارئین کی خاطر ایک تو قدرے ترتیب بدل

دی گئی۔یعنی طبع اول میں ''روضة المحبين'' کے باب کا ترجمہ شروع میں تھا' اب اس کو آخر میں کر دیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ طبع اوّل میں رسالہ ''فقر و تصوف'' (اس وجہ سے جس کا ذکر مترجم رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ ۱۷ طبع اول کے ذیلی نوٹ میں کر دیا تھا) ضمنی سا بن کر رہ گیا تھا۔اس اشاعت میں ''چھٹا رسالہ'' کے عنوان سے اس کو مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔علاوہ ازیں بعض بعض عنوان بھی مختصر کر دیے گئے ہیں۔ پھر اس سبب سے ٹائیٹل اور فہرست میں بھی تبدیلیاں کرنے سے چارہ کار نہ تھا۔دعا ہے اللہ تعالیٰ مترجم مرحوم کو اس صدقہ جاریہ پر اجرِ جزیل سے نوازے۔اور اپنے بندوں کے لیے اس کو نافع بنائے۔

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

(خاکسار محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)



پیش لفظ (طبع اوّل)

(از مترجم)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اور آپ کے تلمیذ رشید حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) کی شخصیتیں محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے ساتویں صدی کے آخری نصف اور آٹھویں کے پہلے نصف دور میں فرقِ باطلہ اور عقائد واہیہ کے خلاف سیف وسنان اور قلم و زبان سے اس قدر جہاد کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے بڑے بڑے لیکچرار، اہل علم و اہل قلم اور بڑے بڑے فلسفہ دان قاصر ہیں۔

شرک و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو دیکھ کر وہ رُو پوش ہونے والے نہیں تھے۔ کفر والحاد کے سیلاب کے سامنے سکوت و خاموشی اور کنارہ کشی کرنا انہوں نے نہیں سیکھا تھا۔ بلکہ وہ مردِ میدان تھے۔ صرف قلم پر ہی ان کی حکمرانی نہ تھی بلکہ وہ تلوار کے بھی دھنی تھے۔ وہ داعیانِ کفر والحاد اور مفسدہ وفتنہ پردازوں کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتے تھے، نہ ہی انہیں بند حجروں کے اندر بیٹھ کر سبحہ گردانی اور دعاؤں اور مناجاتوں پر قناعت کرنا آتا تھا۔ بلکہ وہ ایسے مردِ مجاہد تھے۔ جنہوں نے دین خالص کی راہ میں نہ صرف اپنے نفس و وجود کو قربان کیا۔ بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں اور تمام خلفِ امت کے لیے ثبات واستقلال اور استقامت علی السنۃ کی راہ کھول گئے۔ انہیں طرح طرح کے مصائب وتکالیف میں ڈالا گیا، مقدمات میں پھنسایا گیا۔ بیڑیوں میں جکڑا گیا، جیلوں میں ٹھونسا گیا، کوڑے مار مار کر دین حق سے پھیرا گیا مگر دین احمد ﷺ کے ان متوالوں اور عشق الٰہی کے نشہ میں مخموروں میں اقامت و اعانت دین کے لیے پہلے سے بھی زیادہ سپرٹ بھرتی گئی، ان کے بدن میں از سرنو تازگی آتی گئی اور ان کے قلم میں اس قدر جنبش و روانی ہوئی، کہ جس نے عیسائیوں، مادہ پرستوں، اور یونان کے فلسفہ دانوں، کا پود بکھیر کر رکھ دیا، وہ علمی مضامین کا گویا ایک بحرِ ذخار تھے۔ جس کی تلاطم خیز (اوج) کے سامنے فرقہ ہائے ضالہ قدریہ، جہمیہ، معطلہ، رافظیہ، اہل بدعات وقبر

پرست وغیرہ وغیرہ خس وخاشاک کی طرح بہتے نظر آتے ہیں' چنانچہ آج ان ہر دواماموں کی تصانیف مطبوع ہو کر دنیا کے چپہ چپہ پر پہنچ چکی ہیں' جن کے مطالعہ سے ہر شخص پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی' اور روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آج بھی ان کی قلم میں راشگاف کے انمول موتی پہلے کی طرح پوری آب وتاب کے ساتھ چمک چمک رہے ہیں۔ مگر ان سے کما حقہ اہل علم وعربی دان حضرات ہی استفادہ کر سکتے تھے۔ اردو دان بچارے اس نعمت عظمٰی سے محروم چلے آتے تھے۔ اس لیے ہم اپنے مقدور بھر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں چند رسائل کا اردو ترجمہ بنام مجموعہ ''افادات ابن تیمیہ'' پیش خدمت کر رہے ہیں۔ اگرچہ ترجمہ کا اصل مقصد عوام الناس تک مصنف کے خیالات کو اصلی حالت اور ایسی بہتر صورت میں پیش کرنا ہوتا ہے کہ مصنف کی قابلیت کا اندازہ لگ سکے۔ مگر تصنیف کی بجائے ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً شیخ الاسلامؒ جب اپنے مجتہدانہ انداز ودماغ کے ساتھ کسی مضمون پر قلم اٹھاتے ہیں۔ تو اس کا ترجمہ اور بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اعتراف ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ امام موصوف کے جوہر ظاہر نہیں کر سکتے لہٰذا جہاں ترجمہ و ادائیگی مطلب میں قصور پائیں۔ اسے ترجمہ کی خامی سمجھیں۔ کیونکہ امام موصوف کا رتبہ پہلے سے ہی مسلم ہے۔ اب اسے بحال رکھنے کے لیے نئی کوششوں کی ضرورت نہیں۔ رسائل آپ کے سامنے ہیں زیادہ تعریف کی ضرورت نہیں۔

محمد زکریا



فہرست



زیارت بیت المقدس شرفہا اللہ

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَھْدِیْہِ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیماً کَثِیْراً.

فصل ①

قبورِ انبیاء علیہم السلام وصلحا وغیرہ کے سفر کی نذر ماننا

شدِّ رِحال

صحیحین میں بروایت ابوسعید وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد کے بغیر کسی مقام کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ یہ حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہے۔ یہ وہ مشہور و مقبول حدیث ہے، جس کی صحت، قبولیت اور تصدیق پر علماء کا اجماع ہے۔

عباداتِ مشروعہ کے لیے بیت المقدّس کا سفر مستحب ہے:

عباداتِ مشروعہ مثلاً نماز، دعا، ذکر، قرأت قرآن، اعتکاف کے لیے بیت القدس کے سفر کے مستحب ہونے پر علماءِ اسلام کا اتفاق ہے۔

دعاءِ سلیمانی

صحیح حاکم میں حدیث مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا ① ایسی حکومت جو اس (سلیمان) کے بعد کسی کو مخصوص نہ ہو ② ایسا حکم جو فیصلہ الٰہی کے عین موافق ہو ③ بیت المقدس میں ''محض ارادہِ نماز سے آنے والے کے لیے مغفرت ذنوب''۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں آ کر (صرف) نماز ادا کرتے اور پانی بھی نہ پیتے کہ مبادا سلیمانی دعا سے محروم رہیں کیونکہ انہوں نے ''محض ارادہ نماز سے'' کی قید لگائی تھی۔ اس قید کا تقاضا ہے کہ سفر میں اخلاص کی نیت ہو اور یہ کہ اس کی کوئی دنیاوی غرض، اور بدعت کا ارتکاب نہ ہو۔ [حوالہ طبقات ابن سعد]

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی نذر

ایسے ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منت ماننے میں نزاع ہے، حالانکہ وہ مسجد اقصیٰ سے افضل ہے۔

سفر بیت اللہ کی منت

لیکن حج وعمرہ کے لیے مسجد الحرام جانے کی منت کا ادا کرنا بالاتفاق علماء واجب ہے۔

مسجد الحرام کی افضلیت

مسجد الحرام (خانہ کعبہ) تمام مساجد سے افضل ہے۔ بعدہٗ مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ، صحیحین میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [بخاری ومسلم]

مسجد حرام کے علاوہ باقی تمام مساجد کی نسبت میری اس مسجد (مسجد نبوی علیہ السلام) میں نماز پڑھنا ہزار نماز سے بہتر ہے۔

مساجدِ ثلاثہ کی نمازوں کا موازنہ

جمہور علما کا مذہب ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مسجد الحرام میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ مسند احمد ونسائی وغیرہ میں روایت ہے کہ مسجد الحرام میں نماز پڑھنا لاکھ (۱۰۰۰۰۰) نماز کے برابر ہے۔ مسجد اقصیٰ کی نماز کے متعلق مروی ہے کہ پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔ پانچ سو بھی مروی ہے اور یہی درست ہے۔

قبورِ انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے لیے سفر کی نذر ماننا منع ہے۔

قبر خلیل علیہ السلام یا قبر نبوی یا کوہِ طور جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی، یا جبل حراء جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرتے تھے اور اس میں آنجناب پر وحی نازل ہوئی تھی۔ یا وہ غار (غار ثور) جو قرآن میں مذکور ہے۔ یا علاوہ ازیں دیگران قبروں' مقامات اور خانقاہوں کے لیے جو (کسی نہ کسی طرح) بعض انبیاء علیہم السلام ومشائخ کی جانب منسوب ہیں، یا

بعض غاروں یا پہاڑوں کے لیے سفر کی منت کا ایفا باتفاق ائمہ اربعہ واجب نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی نہی ''تین مسجدوں کے علاوہ (کسی مقام کے لیے باعتقاد ثواب) سفر نہ کیا جائے'' کے باعث ان تمام مواضع کا سفر کرنا منع ہے۔ تو جب (ہر سہ مساجد مذکورہ کے علاوہ دیگر تمام) مساجد جو خانہ خدا ہیں، جن میں پانچوں وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ کی جانب سفر کرنے سے منع فرمادیا۔ حتیٰ کہ مسجد قبا کے لیے بھی سفر کرنا منع فرمایا۔ جس میں اہل مدینہ کو جانا مستحب ہے۔ کیونکہ صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں سوار و پیادہ پا چل کر جانا ثابت ہے اور ترمذی وغیرہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے گھر میں اچھی طرح وضو کر کے مسجد قباء میں محض ادائے نماز کے لیے جائے۔ اسے عمرہ کا ثواب ہوگا۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ جب ایسے (مقامات) کے سفر سے منع فرمادیا گیا ہے تو کوہ طور کی طرف سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے

آثارِ انبیاء کو سجدہ کرنا باعث لعنت ہے۔

ایسے ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ وہ مقامات جو صلوات خمسہ کے لیے تعمیر نہیں ہوئے بلکہ انہیں مسجد (سجدہ گاہ) بنانا بھی منع ہے (اور باعث لعنت ہے) کیونکہ صحیحین میں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے مرض الموت میں وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا تھا:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا اٰثَارَ اَنْبِيَا ئِهِمْ مَّسَاجِدَ﴾ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ جنہوں نے آثارِ انبیاء کو مساجد (سجدہ گاہ) بنالیا۔

اس فرمان سے آنحضرت ﷺ کا اپنی امت کو ان افعال سے ڈرانا مقصود تھا۔

قبر نبوی کو حجرہ میں بند رکھنے کی ایک وجہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اگر اس کے سجدہ گاہ بننے) کا خوف نہ ہوتا تو آنجناب کی قبر کو کھلا رکھا جاتا لیکن آپ نے ناپسند فرمایا کہ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ ٹھہرالیا جائے۔

وصیت نبوی ﷺ

صحیح مسلم وغیرہ میں آنحضرت ﷺ سے حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلاَ فَلاَتَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذَالِکَ﴾ تم سے پہلے لوگ مزارت کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے ''خبردار! تم ایسا نہ کرنا میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

صحابہ کا طرزِ عمل

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاہد انبیاء علیہم السلام' مشہدِ ابراہیم خلیل اللہ اور کسی قبر وغیرہ کی جانب سفر نہیں کرتے تھے۔

بعض من گھڑت حدیثیں

نبی ﷺ نے شب معراج بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جگہ نہیں پڑھی۔ بعض لوگ حدیث معراج کے متعلق جو روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مدینہ منورہ میں، اور قبر موسیٰ و قبر خلیل کے پاس نماز پڑھی۔ یہ تمام احادیث سراسر جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ [موضوعات کبیر]

بے دلیل رخصت

بعض متاخرین نے کسی امام کی نقل اور حجت شرعی پیش کیے بغیر قبروں کے لیے سفر کی (یونہی) رخصت دے دی ہے (جو مردود ہے)۔

فصل (۲)

مسجدِ اقصیٰ کی عباداتِ مشروعہ' قدم نبوی ﷺ و دیگر آثار

مسجد الحرام کی خصوصیات

مسجد اقصیٰ کی عبادات مشروعہ انہی عبادات کی جنس سے ہیں' جو مسجد نبوی ﷺ اور

دیگر تمام مساجد میں مشروع ہیں۔ مگر مسجد الحرام اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ طواف میں ہر دو رکن یمانی کو چھونا، حجر اسود کا بوسہ، صرف کعبہ سے مخصوص ہے، مسجد نبوی ﷺ، مسجد اقصیٰ اور دیگر تمام مسجدوں میں طواف کرنے، ہاتھ لگانے اور بوسہ لینے کے لیے کوئی چیز نہیں۔

حجرہ نبوی ﷺ اور قبورِ انبیاء علیہم السلام وصلحاء کا طواف ناجائز ہے۔

لہٰذا کسی فرد کے لیے حجرہ نبوی، و دیگر قبور انبیاء وصلحاء، صخرہ بیت المقدس اور علاوہ ازیں دیگر قبے، مثلاً جبل عرفات وغیرہ (سب) کا طواف ناجائز ہے، بلکہ روئے زمین پر کوئی مکان نہیں، جس کا کعبۃ اللہ کی طرح طواف کیا جائے۔

طوافِ کعبہ کے علاوہ طواف کی قباحت

اس کے علاوہ کسی طواف کی مشروعیت کا معتقد اس شخص سے بھی زیادہ شر انگیز ہے جو غیر کعبہ کی طرف نماز جائز ہونے کا معتقد ہو کیونکہ نبی ﷺ نے ہجرت مکہ کے وقت مسلمانوں کو اٹھارہ مہینے بیت المقدس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھائی۔ تو اتنا عرصہ وہی قبلہ رہا۔ پھر خدا نے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنا دیا اور تحویل قبلہ کے متعلق قرآن میں آیات نازل فرمائیں۔ چنانچہ (تمام قصہ) سورہ بقرہ میں مذکور ہے اور آنحضرت ﷺ اور تمام مسلمانوں نے کعبہ کی جانب نمازیں پڑھیں اور وہی قبلہ ہو گیا۔ وہی ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا قبلہ چلا آتا ہے۔

صخرہ بیت المقدس کی طرف نماز کا شرعی حکم

اب جو صخرہ کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھے، وہ کافر، مرتد ہے (لہٰذا توبہ کرائی جائے) اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ سزائے قتل کا مستحق ہے، حالانکہ وہ پہلے قبلہ تھا۔ جو منسوخ ہو گیا۔ تو ایسے شخص کی کیا سزا جو کعبۃ اللہ کی طرح اسے قابل طواف بنا دے، حالانکہ غیر کعبہ کا طواف خدا نے مشروع نہیں فرمایا۔

صخرہ کی قربانی

ایسے ہی جو شخص وہاں گائے بکری ذبح کرنے کے ارادہ سے لے جائے اور وہاں قربانی کرنے کو افضل سمجھے۔ یا عید کے دن حجامت کروانے اور وہاں عرفہ کی رات وقوف کی خاطر سفر کا ارادہ کرے تو یہ امور بدعت و گمراہی ہیں اور جن کے ذریعے وقوف طواف، ذبح کرنے اور حجامت بنوانے میں بیت المقدس کو کعبہ کے مشابہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص ان امور کو قربت الٰہی سمجھ کر کرے، اس پر توبہ لازم ہے۔ اگر تائب ہو جائے (تو بہتر) ورنہ قتل کر دیا جائے، چنانچہ صخرہ کی طرف بدیں اعتقاد نماز پڑھے کہ استقبال قبلہ کی طرح اس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا بھی باعث قربت ہے (تو اس کا یہی حال ہے)

مسجد اقصیٰ کے سامنے مُصلّٰی بنانے کی وجہ

اس لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا مصلیٰ (جائے نماز) مسجد اقصیٰ کے سامنے تعمیر فرمایا۔ کیونکہ مسجد اقصیٰ پوری مسجد کا نام ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اگر چہ (اب) بعض لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعمیر کردہ مصلیٰ کو اقصیٰ کہنے لگ گئے ہیں اور مسلمانوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعمیر کردہ مصلیٰ میں نماز پڑھنا تمام مساجد کی نمازوں سے افضل ہے۔

فتح بیت المقدس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یروشلم کو فتح کیا تو صخرہ پر گندگی کا ڈھیر لگا ہوا تھا کیونکہ عیسائی لوگ یہودیوں کے مقابلہ میں (جو صخرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے) اس کی بے عزتی کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلاظت کو دور کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

کعب احبار کا مشورہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ڈانٹ:

اور کعب احبار سے مشورہ لیا کہ مسلمانوں کے لیے کہاں مصلیٰ بنایا جائے۔ تو اس نے صخرہ کے پیچھے بنانے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ڈانٹ کر) فرمایا: اے یہودیہ

کے بچے (ابھی تک) تیرے عقائد میں یہودیت سرایت کیے ہوئے ہے (میں تیرا یہ مشورہ قبول نہیں کروں گا) بلکہ صخرہ کے سامنے بناؤں گا۔ کیونکہ ہمارے لیے مسجدوں کی اگلی جگہ ہیں۔اسی لیے ائمہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ مصلیٰ میں نماز پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ محراب داؤدی میں نماز پڑھتے۔لیکن صخرہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز نہیں پڑھی۔اور نہ ہی خلفاء راشدین کے عہد خلافت میں اس پر کوئی قبہ تھا بلکہ حضرت عمر عثمان علی معاویہ رضی اللہ عنہم 'یزید اور مروان رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت میں ننگا تھا۔

صخرہ پر تعمیر قبہ کی وجہ

جب شام پر مروان کا بیٹا عبدالملک حاکم ہوا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اس کے مابین فتنہ بپا ہوا تو لوگ حج کر کے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو جاتے۔اس لیے عبدالملک نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی غرض سے صخرہ پر قبہ تعمیر کرا کے سردیوں اور گرمیوں میں اس پر غلاف چڑھانا شروع کر دیا۔ کہ لوگ زیارت بیت المقدس کی طرف رغبت کرنے لگیں اور ابن زبیر کے پاس اجتماع کرنے سے ہٹ کر، اس (عبدالملک) کی جانب متوجہ ہو جائیں لیکن اہل علم صحابہ و تابعین ''صخرہ'' کی کوئی تعظیم نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ قبلہ منسوخ ہو چکا ہے۔جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتہ عید کا دن تھا۔ پھر شرعِ محمدی میں یومِ جمعہ کے باعث منسوخ ہو گیا۔تو مسلمانوں کو یہ کسی طرح جائز نہیں، کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہفتہ و اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص ٹھہرالیں۔ایسے ہی صخرہ کی تعظیم بھی صرف یہود و نصاریٰ ہی کرتے ہیں (لہٰذا مسلمانوں کو اس کی تعظیم ناجائز ہے)

جاہلوں میں بعض جھوٹی باتوں کی شہرت

اور یہ جو بعض جہلا حکایتیں کرتے ہیں کہ وہاں (صخرہ میں) قدمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عمامہ مبارک کا نشان ہے۔ وغیرہ۔تو یہ سراسر کذب و افترا ہے۔اور اس سے بڑھ کر یہ بکواس ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے پاؤں کا نشان ہے۔ایسے ہی یہ بھی بالکل جھوٹ ہے

جس جگہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا پنگھوڑا ہے۔ بلکہ یہ تو نصاریٰ کے معمودیہ کی جگہ ہے۔ ایسے ہی اس شخص کا زعم بھی باطل محض ہے جو وہاں پلصراط اور میزان کی موجودگی کا معتقد ہو۔ یا یہ کہ دوزخ و بہشت کی درمیانی دیوار یہی دیوار ہے جو مسجد کے مشرقی جانب تعمیر ہے۔ ایسے ہی زنجیر یا زنجیر کی جگہ کی تعظیم غیر مشروع ہے۔

فصل ③

اہل قبور کے لیے مسنون دعاء

مسجد اقصیٰ کے علاوہ بیت المقدس میں کوئی ایسی جگہ نہیں۔ کہ عبادت کے لیے جس کا قصد کیا جائے۔ تاہم جب قبرستان کی زیارت کرے۔ تو مردوں کے لیے اسی طرح سلامتی و رحمت کی دعا کرے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے تھے، کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دیتے رہے کہ جب زیارت قبور کے لیے کوئی جائے تو یوں کہے۔

دعا کے الفاظ

﴿اَلسَّلَامَ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْکُمْ وَ الْمُسْتَاخِرِیْنَ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ ،اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَ ھُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَھُمْ﴾

اے مومن مردوں عورتوں کی بستی کے رہنے والو! تم پر سلام ہو۔ ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے اگلے پچھلے بزرگوں پر رحم فرمائے۔ ہم اپنے اور تمہارے لیے عافیت کے طالب ہیں۔ مولا! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال' ہمیں بھی بخش دے اور انہیں بھی بخش دے۔

فصل ④

دھرم سالوں، گوردواروں اور گرجوں وغیرہ کی زیارت

کفار کے عبادت خانے مثلاً وہ جگہ جس کا نام قمامہ ہے یا بیت اللحم، یا صیحون یا علاوہ ازیں مقامات مثلاً عیسائیوں کے گرجے (تمام) کی زیارت منع ہے۔ لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی مکان کی زیارت کو مستحب اور ان میں عبادت کرنے کو گھر میں عبادت کرنے سے افضل سمجھ کر زیارت کرنے جائے وہ گمراہ اور شریعت اسلام سے خارج ہے، اس سے توبہ کرانا چاہیے۔ تائب ہو جائے (تو بہتر) ورنہ قتل کا مستحق ہے۔

معابدِ کفار میں نماز کا حکم

اگر انسان کو اتفاقاً کسی کام کے لیے وہاں جانے پر نماز کا وقت آجائے تو اس میں علما کے تین قول ہیں۔

پہلا قول: مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ میں کہا گیا ہے کہ وہاں مطلقاً نماز مکروہ ہے۔ ابن عقیل نے یہی پسند فرمایا ہے۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

دوسرا قول: (وہاں نماز پڑھنا) مطلقاً مباح ہے۔

تیسرا قول: وہاں تصویریں ہوں تو منع ہے، ورنہ نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہی منصوص ہے اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب وغیرہ سے مروی ہے۔

قولِ صحیح کی دلیل

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں داخل ہوتے''، فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں اس وقت تک داخل نہ ہوئے۔ جب تک کہ مورتیوں کو توڑ پھوڑ نہیں لیا۔ واللہ اعلم

فصل ⑤

روئے زمین پر صرف تین حرم ہیں

بیت المقدس، تربت خلیل علیہ السلام اور دیگر کسی جگہ میں کوئی مقام مندرجہ ذیل تین مقاموں کے سوا حرم کے نام سے موسوم نہیں۔

حرمِ اول: حرم مکہ جو باتفاق مسلمین حرم ہے۔

حرم دوم: حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 'عیر سے ثور تک بارہ' در بارہ میل۔ جمہور علماء مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حرم ہے اور اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صحیح اور مشہور حدیثیں مروی ہیں۔

حرم سوم میں اختلاف

''وج'' جو طائف میں واقع ہے' اس کے متعلق صرف مسند احمدؒ میں چند احادیث آئی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حرم نہیں اور امام احمد نے مروی روایت کو ضعیف ٹھہرا کرنا قابل استدلال سمجھا ہے اور (مذکورہ بالا) تین جگہوں کے سوا کسی عالم کے نزدیک کوئی حرم نہیں۔

حرم کا حکم

کیونکہ حرم وہ ہے جس کے شکار اور کھیتی کو خدا نے حرام فرما دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان تین جگہوں کے سوا کسی مکان کے شکار و کھیتی کو حرام نہیں ٹھہرایا۔

فصل ⑥

زیارت بیت المقدس کے مشروع وغیر مشروع اوقات:

زیارت بیت المقدس ہر وقت جائز ہے لیکن ایسے اوقات میں اس کا رخ کرنا بالکل نامناسب ہے۔ جب اس کی طرف گمراہ لوگ جا رہے ہوں۔ مثلاً عید قربانی کا موقع کہ اکثر اہل ضلالت (اس وقت) وقوف کی غرض سے اس کا سفر کرتے ہیں اور وقوف کو ثواب سمجھ کر ادھر جانا بلاشبہ حرام ہے۔

مشابہتِ کفار

کفار سے مشابہت کرنا اور ان کی جماعت کو (شامل ہو کر) بڑھانا نامناسب ہے اور نہ ہی حج کی غرض سے اس طرف سفر کرنا فعل ثواب ہے۔

یار لوگوں کی خوش گپیاں

کسی قائل کا یہ قول کہ ''قَدَّسَ اللہُ حَجَّتَکَ '' خدا تیرے حج کو بابرکت ومنزہ فرمائے) سراسر افترا ہے۔ اس کا کوئی اصل نہیں ہے۔ جیسا کہ ''مَنْ زَارَنِیْ وَزَارَ اَبِیْ فِیْ عَامٍ وَاحِدٍ ضَمِنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ'' (جس شخص نے ایک ہی سال کے اندر میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کی۔ میں اس کے لئے بہشت کا ضامن ہوں) محقق محدثین کے نزدیک بالکل گپ ہے۔

زیارتِ قبرِ نبوی ﷺ کی روایات

ایسے ہی زیارت قبر نبوی ﷺ کی تمام حدیثیں ضعیف، بلکہ موضوع ہیں اور اہل صحاح واصحاب سنن ومسانید، مثلاً مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان روایتوں کو اپنی کتابوں میں نہیں لائے۔

درود شریف:

ہاں سنن کی وہ حدیث ہے۔ جسے ابوداؤد نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا

ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ رَجُلٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

دور و نزدیک سے سلام

تو جو شخص نبی ﷺ کی قبر کے پاس سلام کہے اس کا جواب خود دیتے ہیں اور جو دور دراز سے آپ ﷺ پر سلام کہے اس کا سلام آپ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

درود و سلام پہنچنے کے دلائل

چنانچہ نسائی میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِيْ مَلٰئِكَةً يُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ﴾ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

نیز سنن میں آنجناب ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

﴿اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ﴾ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جاتا ہے جب کہ آپ کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کا گوشت کھانا حرام کر دیا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے واضح کر دیا، کہ دور دراز کا درود و سلام آپ ﷺ کو پہنچا دیا جاتا ہے اور حضرت باری تعالیٰ نے بھی ہمیں درود و سلام (کے ورد) کا حکم دے رکھا ہے۔

درود شریف کی فضیلت: اور (صحیح بخاری) میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ بِهَا عَشْرًا﴾ مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً

فصل ⑦

زیارتِ عسقلان

مذکورہ بالا اوقات میں عسقلان کا سفر نہ تو مشروع ہے نہ واجب وغیر مستحب، بلکہ اس میں سکونت پذیر ہونے اور اس کی جانب قصد کرنے میں اسی وقت ہی فضیلت تھی، جبکہ وہ مسلمانوں کی حد تھی۔ (اور سرفروش مجاہدین اسلامی سرحدوں کی مضبوطی و حفاظت کے لیے) جہاد کے انتظار میں وہاں جا کر رہتے تھے کیونکہ صحیح مسلم میں بروایت سلیمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے کہ فرمایا:

رباط فی سبیل اللہ کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ وَ مَنْ مَّاتَ مُرَابِطًامَاتَ مُجَاهِدًا وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ عَمَلُهٗ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَاٰمِنَ الْفِتَانَ .

اللہ کے راستے میں صرف ایک دن رات کے لیے رباط کرنا، مہینہ بھر کے روزہ رکھنے اور قیام کرنے سے بہتر ہے اور جو شخص رباط کی حالت میں مر جائے، وہ مجاہد مرا۔ اس کا نیک عمل اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔ جنت میں سے اس کو رزق دیا جائے گا اور فتنوں سے محفوظ و مصوٗن رہے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لیلۃ القدر میں حجر اسود کے پاس قیام کرنے کی نسبت مجھے رباط فی سبیل اللہ (میں ایک رات گذارنا) زیادہ پسند ہے۔

حیثیت کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی

نیک و دیندار لوگ شامی سرحدوں مثلاً عسقلان، عکہ، طرطوس، کوہ لبنان وغیرہ اور سرزمین مصر کی سرحدوں مثلاً سکندریہ وغیرہ اور عراق کی سرحدوں مثلاً عبدان وغیرہ کے لیے قصد سفر کرتے تھے۔ جب یہ علاقے عسقلان وغیرہ ویران وغیر آباد ہو گئے تو نہ یہ سرحد

رہے، نہ ہی ان کے لئے سفر کرنے میں فضیلت باقی رہی اور نہ وہاں کوئی شریعت اسلامیہ کا متبع نیک آدمی موجود ہے۔

جنوں کی رہائش

بلکہ (اب تو) زیادہ تر وہاں جن رہائش رکھتے ہیں۔ وہی رجال الغیب ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً ان علاقوں میں نظر آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا — انسانوں کے چند مرد جنوں کے چند مردوں سے پناہ لیتے تھے تو انہوں نے ان کو زیادہ مغرور کر دیا۔

جنوں کا بصورتِ خضر علیہ السلام ظاہر ہونا

ایسے ہی جو لوگ کبھی خضر علیہ السلام کو دیکھ پاتے ہیں وہ جن ہوتا ہے۔ جو انہیں (بصورتِ خضر علیہ السلام) نظر آتا ہے۔ میرے دوستوں میں سے اکثر نے اسے دیکھا ہے۔ جو کہہ رہا تھا کہ میں خضر ہوں۔ لیکن یہ جن تھا جس نے اپنے دیکھنے والے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ ورنہ

وفاتِ خضر علیہ السلام

عہد موسیٰ علیہ السلام کا خضر تو فوت ہو چکا ہے۔

وفات خضر علیہ السلام کے دلائل

اگر وہ (خضر علیہ السلام) عہد نبوی میں بقید حیات موجود ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا، آپ پر ایمان لانا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر جہاد کرنا ان کا فرض اولین تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عہد رسالت کے پانے والے ہر شخص پر خواہ وہ نبی ہی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آنجناب کی معیت میں جہاد کرنا فرض کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ — جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس اس کتاب و حکمت کی تصدیق کنندہ رسول آجائے تو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی امداد کرنی ہو

عَلٰی ذٰالِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْاۤ اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشَّاهِدِیْنَ. [ال عمران پ ۳ ع ۱٤]

گی۔فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرے عہد کا ذمہ اٹھا لیا؟ کہنے لگے ہم نے اقرار کر لیا تو فرمایا گواہ ہو۔میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، کہ ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر مبعوث ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔اور آپ کی امداد کرنی ضروری ہوگی پھر اسے اپنی امت سے عہد لینے کا حکم دیا کہ ان کی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں، تو انہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنا ضروری ہوگا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے رؤیتِ خضر علیہ السلام مذکور نہیں

صحابہ میں سے کسی نے خضر علیہ السلام کو دیکھنے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی آمد کا ذکر نہیں کیا۔کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عالم تھے اور تلبیس شیطانی کے اثر سے ان کا مقام کہیں بلند و برتر تھا۔لیکن

شیطانی فریب

صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد شیطان نے عام لوگوں کو دھوکہ دیا (کہیں) نبیوں کی شکل بن کر ظاہر ہونے لگا اور کہیں خضر ہونے کا دعویٰ کرنے لگا۔حالانکہ (درحقیقت) وہ شیطان تھا۔جیسا کہ اکثر لوگ اپنی کسی میت کو دیکھتے ہیں کہ وہ (قبر سے) نکل کر اس کے پاس آیا اور قضائے حاجات اور دیگر امور کے متعلق اس سے ہم کلام ہوا تو وہ اسے بعینہٖ اپنا میت خیال کرنے لگ جاتا ہے حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے۔جو اسے میت کی شکل بن کر دکھائی دیتا ہے۔اور اکثر لوگ مخلوق سے استغاثہ (فریاد رسی) کرتے ہیں۔جیسے نصاریٰ جرجیس سے۔یا کوئی غیر نصرانی تو وہ اسے دیکھتا ہے کہ وہ اس کے پاس آیا اور بسا اوقات اس سے ہمکلام ہوا۔حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو اس (فرضی) فریادرس کی صورت بن گیا ہوتا

ہے۔ جب مغیث (فریاد خواہ) شرک کرتا ہے تو اس کے سامنے کوئی شکل بنا کر (نمودار ہو جاتا ہے) جیسا کہ شیطان بتوں میں داخل ہو کر لوگوں سے کلام کیا کرتے تھے اور ایسی مثالیں موجودہ زمانے میں بھی اکثر شہروں میں عام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

شیطانی ولیوں کا ہوا میں اُڑنا، اور اس کی حقیقت

کسی شخص کو شیاطین اٹھا لیتے ہیں، اور ہوا میں اڑا کر دور دراز مقام پر پہنچا دیتے ہیں اور بعض کو اٹھا کر (میدان) عرفات میں پہنچا دیتے ہیں۔ لہٰذا نہ وہ شرعی حج کرتا ہے۔ نہ احرام باندھتا ہے۔ نہ تلبیہ (لبیک) کہتا ہے، نہ ہی طواف وسعی کرتا ہے بلکہ لوگوں کے ساتھ اپنے کپڑوں میں وقوف کرتا ہے۔ پھر شیاطین اسے اٹھا کر شہر پہنچا دیتے ہیں اور اکثر لوگوں سے شیاطین یہی کھیل کھیلتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر موقعہ پر بسط سے بیان ہو چکا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

دوسرا رسالہ

قضا وقدر

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے

سوال

سوال ہوا کہ بعض لوگ جو ① تقدیر کو دلیل بناتے ہیں۔ کہتے ہیں (ابتدائے) آفرینش سے ہر امر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا نیک بخت پیدائشی نیک بخت، اور بد بخت پیدائش سے ہی بد بخت ہوتا ہے اور

② ارشاد باری تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ﴾ (بلاشبہ جن کے مقدور میں ہماری طرف سے پہلے سے ہی بھلائی لکھی جا چکی ہے، وہ اس سے دور ہی دور رکھے جائیں گے کو بطور حجت پیش کرتے ہیں۔

③ نیز کہتے ہیں، جملہ افعال میں، ہم بالکل بے بس اور مجبور محض ہیں، ہمارا کوئی زور نہیں۔ تمام قسم کی طاقتیں محض اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کو مقدر فرمایا اور دونوں کو ہم پر لازم کر دیا

⑤ نیز کہتے ہیں۔ جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا وہ بہشت میں داخل ہو کر رہے گا۔ خواہ وصد ہا قسم کی بدکاریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے اور دلیل میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ﴿وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ﴾ (خواہ وہ زنا چوری کرتا پھرے) اس (استفتاء) سے مقصد دلائل قاطعہ سے ان لوگوں کی غلطی واضح کرنا ہے (کہ راہ راست پر آجائیں) لہٰذا ان استفسارات کا جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع بخشئے۔ تو حضرت امام نے (نَفَعَنَا اللّٰہُ بِعُلُوْمِہٖ) خدا ان کے علوم سے ہمیں فائدہ بخشے)

جواب

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (تمام حمد وثنا کا سزاوار خدائے رب العلمین ہے) یہ لوگ اسی اعتقاد پر جمے رہے تو یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر کافر ہوں گے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ تو امر ونہی، وعد ووعید، ثواب عذاب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن انہوں نے تحریف و تبدیل کر کے بعض کو تو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾

بے شک جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور خدا اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مان سکتے اور ان کا ارادہ ہے کہ (رسولوں) میں فرق کر کے اس کے درمیان اور راستہ اختیار کر لیں وہ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کنندہ عذاب تیار کر رکھا ہے (مگر) جو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں میں باہمی فرق (بھی) نہ کیا۔ ایسے لوگوں کو اللہ عنقریب (آخرت میں) اجر دے گا اور خدا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ [النساء: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲]

جب بعض کو ماننے والا اور بعض سے کفر کرنے والا پکا کافر ہے، تو وہ شخص کیسے (مومن ہوسکتا) ہے۔ جو سب کا انکار کر دے اور جو شخص خدا کے امر ونہی اور وعد ووعید کا اقرار نہ کرے۔ بلکہ تقدیر کی آڑ بنا کر ان کا تارک ہو رہے تو اس سے کہیں بڑھ کر کافر ہے جو بعض پر ایمان لا کر بعض سے انکار کر دے۔ پھر لوگوں کے قول کا بطلان، ایک نہیں کئی وجوہ سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

احتجاج بالقدر کے بطلان کی چند وجوہ

پہلی وجہ

یہاں دو صورتیں ہیں، یہ لوگ انسان کے لیے تقدیر کو حجت سمجھتے ہیں یا نہیں، اگر حجت نہ سمجھ کر انسان کو باختیار سمجھیں، تو ہمارا مدعا ثابت ہوا اگر حجت سمجھیں تو ایک نہیں بلکہ تمام انسانوں کے حق میں حجت ہوگی، کیونکہ سب انسان تقدیر میں مشترک ہیں۔ بحالتِ تسلیم انہیں یہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص ان پر ظلم کرے، گالی گلوچ دے، مال غصب کرے اور اس کے حرم (بیوی بچوں) کی بے عزتی کرے قتل و غارت گری تک نوبت پہنچائے۔ نسل و زراعت کو تباہ و برباد کرے۔ تو اسے برا نہ منائے (اور اس کے ہاتھ نہ روکے) حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام سراسر مفتری و کذاب، اور خود ہی اپنے دعویٰ کے توڑنے والے ہیں، کیونکہ ان کا ہر فرد ہمیشہ اس (ظالم و فسادی) کی مذمت کرتا اس سے عداوت رکھتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا رہتا ہے (اسی پر ہی بس نہیں) بلکہ جو انہیں (فسادی کو برا کہنے سے) منع کرے، ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ بس اس سے بغض و عداوت رکھنے لگتے ہیں، اور اسے برا سمجھتے ہیں، لہٰذا جب محرمات کے مرتکب اور واجبات کے تارک کے حق میں تقدیر حجت تھی تو ان کا فرض تھا کہ نہ کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی سے بغض رکھتے، اور نہ کسی کے ظالم و سفاک ہونے کا شکوہ کرتے۔ خواہ وہ کچھ بھی کرتا پھرے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس کا ارتکاب کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ اگر لوگ اس کا ارتکاب کرنے لگ جائیں تو دنیا برباد ہو جائے۔

نتیجۂ بحث

لہٰذا واضح ہو گیا کہ ان کا یہ قول جیسا کہ شرعاً کفر ہے۔ عقلاً بھی فاسد ہے اور وہ اپنے اس دعویٰ میں کہ "تقدیر بندے کے حق میں حجت ہے" بالکل مفتری و کذاب ہیں۔

دوسری وجہ کفار کے معذور ہونے کا الزام

تقدیر کی حجیت سے لازم آتا ہے کہ ابلیس، فرعون، قوم نوح، قوم ہود اور ہر وہ شخص معذور ہو جسے اللہ تعالیٰ نے بدکاریوں کے باعث ہلاک کر دیا حالانکہ یہ (عقیدہ) ایسا کفر ہے جس پر تمام اہل مذاہب متفق ہیں۔

تیسری وجہ ''اجتماع ضدّین''

حجیت تقدیر کے تسلیم کر لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ اولیاء اللہ اور دشمنانِ خدا، مومنوں اور کافروں، بہشتیوں اور دوزخیوں میں کچھ فرق نہ ہو، حالانکہ عزوجل نے جابجا کلام اللہ میں ان کی باہمی تفریق کو واضح فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلاَ الظُّلُمٰتُ وَلاَ النُّوْرُ وَلاَ الظِّلُّ وَلاَ الْحَرُوْرِ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلاَ الْاَمْوَاتُ. [۲۵-۱۹ تا ۲۲]

بینا و نابینا، اندھیرا ور اجالا، سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہوسکتے۔ نہ ہی زندے اور مردے برابر ہوسکتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ [۳۸:۲۸]

کیا ہم نیکوکار مومنوں کو فسادیوں جیسا کر دیں۔ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا بنا دیں۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [۴۵:۲۱]

کیا بدکار لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم انہیں نیکوکار مومنوں جیسا کر دیں۔ ان کی زندگی وموت (ان) جیسی ہو، اگر یہی خیال ہے تو بہت برا فیصلہ ہے۔

تقدیر کی عدم حجیت

تقدیر کی حجیت پر یہ دلیل بھی دی جاسکتی ہے کہ تقدیر تو سب کی مقدر ہو چکی ہے اور ان کی پیدائش سے صدیوں پہلے لکھی جاچکی ہے۔ اس کے باوجود وہ دو گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔

① ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کے باعث ''نیک بخت''

② کفر، بدکاریاں، اور نافرمانیاں کرنے کی وجہ سے بدبخت''۔

نتیجۂ بحث

تو معلوم ہوا کہ اللہ کی نافرمانیوں پر قضاوقدر کسی کے لیے حجت نہیں ہوسکتی۔

چوتھی وجہ خدا کے ظالم ہونے کا لزوم:

تقدیر پر ہمارا ایمان ہے مگر اپنی بدعملی کے لیے ہم اسے آڑ اور حجت نہیں مانتے۔ اب جو اس سے دلیل و حجت پکڑے۔ اس کی حجت باطل، اور جو اسے بطور عذر پیش کرے، اس کا عذر نامقبول ہے۔ تقدیر سے حجت پکڑنا قابلِ قبول عذر ہوتا تو ابلیس و دیگر نافرمانوں کا کیا قصور، ان سے بھی مقبول ہوتا، اگر بندوں کے حق میں تقدیر کوئی دلیل ہوتی تو دنیا و آخرت میں خدا تعالیٰ کسی مخلوق کو خواہ مخواہ عذاب نہ کرتا۔ تقدیر کچھ حجت بن سکتی ہے تو نہ کسی چور کا ہاتھ قطع کیا جاتا۔ نہ کوئی قاتل قتل کی پاداش میں سزایاب ہوتا' نہ کسی مجرم پر حد قائم ہوتی' نہ جہاد فی سبیل اللہ کیا جاتا اور نہ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتا۔

پانچویں وجہ۔ تکذیب حدیث، انکار اختیار، اور بے عملی کا لزوم

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے احتجاج بالقدر کے متعلق سوال کیا گیا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

﴿مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَدَعُ الْعَمَلَ وَنَتَّكِلُ عَلَى الْكِتٰبِ فَقَالَ لَا اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ﴾

دوزخ و بہشت میں ہر شخص کے لیے ایک ایک ٹھکانہ درج ہو چکا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تقدیر کے بھروسے عمل کو خیر باد کہہ کر اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ نہ رہیں۔ تو فرمایا! عمل کیے چلو۔ کیونکہ ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں یوں بھی آیا ہے، کہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا:

﴿یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ مَا یَعْمَلُ النَّاسُ فِیْهِ وَ یَکْدَحُوْنَ اَفِیْمَا جُفَّتْ بِهِ الْاَقْلَامُ وَطُوِیَتْ بِهِ الصُّحُفُ فَقِیْلَ، فَفِیْمَ الْعَمَلُ فَقَالَ اعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ﴾

یارسول اللہ! لوگوں کی کدو کاوش اور محنت کے متعلق فرمایئے (یہ کس لیے؟) کیا ایسے معاملہ میں کوشش ۔جس کے متعلق قلم خشک اور کاغذ تہ کئے جا چکے ہیں لہٰذا عمل سے کیا فائدہ؟ فرمایا: کام کیے چلو! جس کام کے لئے کوئی پیدا ہوا ہے وہ اس کے لئے آسان کر دیا گیا ہے۔

چھٹی وجہ۔ علم الٰہی و تقدیر خدائی کے بطلان کا لزوم:

اس قوم سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امور کو معلوم کر کے انہیں اسی صورت پر لکھ دیا۔ جس صورت پر انہیں ہونا چاہیے تھا تو ساتھ ہی یہ بھی اسی خدائے سبحانہ نے تحریر فرما دیا ہے کہ فلاں شخص ایمان لا کر عمل صالحہ کرے گا۔ لہٰذا بہشت کو جائے گا اور فلاں آدمی بدکاری و نافرمانی کرے گا، لہٰذا وہ جہنم رسید ہو گا۔ جیسا کہ اس نے اپنے علم سے لکھ دیا ہے کہ فلاں آدمی عورت سے نکاح کر کے جماع کرے گا تو اس کے ہاں بچہ ہو گا یا یہ کہ فلاں شخص کھائے گا تو سیر ہو جائے گا یا یہ کہ فلاں شخص بیج بوئے گا تو کھیتی پیدا ہو جائے گی۔ اب جو کہے کہ اگر میں جنتی ہوں تو عمل صالحہ کیے بغیر بھی بہشت میں ضرور داخل ہو کر رہوں گا۔ تو یہ قول سراسر باطل، اور علم وقدرت خداوندی کے بالکل خلاف ہو گا۔ جیسا کہ اس شخص کا قول باطل ہے جو کہے کہ میں تو عورت سے جماع نہیں کروں گا۔ خدا نے اگر میرے نصیب میں لڑکا مقدر کر دیا ہے تو خود ہی پیدا ہو جائے گا تو ایسا شخص جاہل مطلق ہے۔ کیونکہ خدا نے جب بچہ مقدر فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی مقدر فرما دیا تھا کہ وہ عورت سے وطی کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ حاملہ ہو کر بچہ جنے گی۔ مگر جماع و حمل کے بغیر تو بچہ کی پیدائش، نہ خدا تعالیٰ نے مقدر فرمائی ہے، نہ ہی ایسے لکھا ہے۔ اسی طرح بہشت بھی خدا نے محض مومنوں کے لیے ہی تیار کیا ہے۔ اب جو بلا ایمان دل میں بہشت کے داخلہ کا گمان لیے پھرے تو اس کا یہ ظن سراسر باطل ہے۔

اوامر الٰہی کی تعمیل کی عدم ضرورت کا معتقد کافر ہے

جب یہ عقیدہ رکھنے لگ جائے کہ ایسے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو خدا نے فرما رکھے ہیں۔ نیز اوامر الٰہی کی تعمیل وعدم تعمیل میں کچھ فرق نہ سمجھے تو وہ کافر ہے اور خدا نے اپنے دوستوں کے علاوہ تمام پر بہشت حرام کر دیا ہے۔

فصل ①

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی﴾ کی تفسیر:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی. الخ ﴾ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس کے مقدر میں خدا کی جانب سے بھلائی درج ہو چکی ہے وہ ضرور مومن ومتقی بن کر رہے گا۔ اور جو جماعت مومنین سے نہیں اس کے مقدر میں خدا کی طرف سے بھلائی درج بھی نہیں ہے۔ ہاں! خدا کی طرف سے بندے کے لیے جب کوئی کام مقدر ہو چکا ہوتا ہے تو خدا ہی اسے ایسے کام میں بھی لگا دیتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنا مقدر پالیتا ہے۔

تقدیر، اسباب و مُسبّبات اور اس کی تمثیل:

چنانچہ جس کے مقدر میں اولاد ہوتی ہے۔ اسے عورت سے وطی کرنا بھی ضروری ہے تا کہ وہ حاملہ ہو جائے (اور اولاد پیدا ہو) کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسباب ومسببات مقدر فرمائے ہیں اور یہ دونوں خدا ہی کی جانب سے مقدر شدہ ہیں، اب جسے یہ خیال ہو کہ عزوجل نے فلاں شخص کے لئے بلا اسباب خیر و بھلائی مقرر کر دی ہے' کسی کے لیے خدا کی طرف سے بلا سبب بھلائی مقدر ہونے کا خیال رکھے تو وہ گمراہ ہے بلکہ اسے یقین ہو جانا چاہیے کہ خدا ہی اسباب ومسببات کا آسان کنندہ ہے اور اسی نے ازل میں ان دونوں کو مقدر فرما دیا ہے۔

فصل ②

''معصیت'' اور اس کا غلط و صحیح مفہوم:

جو یہ کہے، کہ آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا۔ وہ قرآن کا تکذیب کنندہ اور مستحقِ توبہ ہے۔ توبہ کرے تو بہتر ہے ورنہ قابلِ گردن زدنی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ [طه:۱۲۱] آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو (راہ صواب سے) بھٹک گیا پھر خدا نے اسے برگزیدہ بنا کر توبہ قبول کی اور (اپنی اطاعت کا) راستہ دکھایا۔

معصیت کا صحیح مفہوم:

امر شرعی کی مخالفت کا نام معصیت ہے جو شخص امر الٰہی کی، (جس کے متعلق اس نے اپنے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں) مخالفت کرے، وہ اس کا نافرمان ہے، اگرچہ وہ بھی خدا کی قضاؤ قدر میں داخل ہے۔

معصیت کا غلط مفہوم اور تردید

ان لوگوں کے خیال میں ''تقدیر الٰہی سے نکلنے کا نام معصیت ہے'' اگر یہی معصیت ہے تو ابلیس وفرعون، قوم نوح وقوم عاد وثمود اور جملہ کفار بھی نافرمان نہیں ہیں کیونکہ وہ تقدیر الٰہی میں داخل ہیں۔

جبریہ کو منوانے کا عجیب طریقہ

حجیت تقدیر کے قائل کو مار پیٹ کر خوب ذلیل کیا جائے اگرچیں بچیں ہو اور ظلم کا بدلہ لینا چاہے تو اسے کہا جائے کہ یہ ظالم بے چارہ بھی تو مجبور ہے۔ خدا کا نافرمان نہیں کیونکہ تمام مخلوق کی طرح یہ بھی تقدیر الٰہی میں داخل ہے۔ غرضیکہ اس قول کا قائل خود اپنے دعویٰ کا باطل کنندہ ہوتا ہے اور کسی حالت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

فصل ③

مستطیع وغیر مستطیع کا فرق

جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں اپنے جملہ افعال میں کچھ اختیار ہے وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ خدا نے مستطیع قادر اور غیر مستطیع میں فرق رکھا ہے۔ فرمایا۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (١٦.٦٤) اللہ سے اپنے مقدور بھر ڈرو۔

اور فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ (٣.٩٦) لوگوں پر حج بیت اللہ خدائی فرض ہے جسے بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت واستطاعت ہو۔

نیز ارشاد باری ہے

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً﴾ [٣٠.٥٤] خدا (قادر مطلق ہے) جس نے تمہیں کمزور حالت سے (جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے) پیدا کر لیا۔ پھر (طفلی کی) کمزوری کے بعد (جوانی کی طاقت دی) پھر توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کی حالت کر دی۔

مشیت وفعلِ انسانی

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے کلام اللہ میں اکثر جگہ ارادہ وفعل ثابت کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [٨١.٢٨] (قرآن) اسی کے لیے (مفید) ہے کہ جو تم میں راہ راست پر چلنا چاہے اور تمہاری مشیت خدائی مشیت پر موقوف ہے۔

اور فرمایا:

﴿جَزَآءً بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (٨١.٢٩) تمہارے عملوں کا بدلہ ہے۔

افعال العباد کا خالق خدا ہے۔

لیکن بندہ اور بندے کی قدرت مشیت اور عمل کا (بھی) اللہ ہی خالق ہے کیونکہ وہی ہر شے کا رب ومعبود اور ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔

فصل ④

احتجاج بالقدر غیر مفید ہے۔

کسی کا کہنا، کہ زنا کا جنس معصیت ہونا مکتوب ہو چکا ہے یہ کلام تو صحیح ہے، مگر اس سے احتجاج بالقدر بے سود ہے۔ کیونکہ خدا نے بندوں کے تمام نیک و بد افعال نیز ان کا نتیجہ یعنی نیک بخت و بد بخت ہونا تحریر فرما کر ثواب وعقاب کے لیے اعمال کو ان کا سبب بنا دیا ہے۔

تمثیل:

جیسا کہ اس نے بیماریاں لکھ کر، مرض یا موت کے لیے انہیں سبب ٹھہرایا دیا ہے۔ لہٰذا جو زہر کھائے گا۔ وہ مریض لقمہ اجل ہو کر رہے گا اور اللہ نے یہ دونوں مقدور تحریر فرمائے ہیں۔

ایسے ہی کفر وفسق اور نافرمانیوں جیسے منهی عنه افعال کا مرتکب وہی ہوتا ہے، جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہو، اگر چہ وہ اس سزا کا بھی مستحق ہوتا ہے، جو اللہ نے ایسے عمل کے مرتکب پر لازم فرمائی ہے۔

حجت جبریہ و حجت مشرکین میں مماثلت

گناہ کرنے پر ان کا تقدیر کو حجت پکڑنا۔ حجت مشرکین کی قسم سے ہے۔ جن کی حکایت خدا نے بیان فرمائی ہے۔ کہ

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْ نَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَآ اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [۱۶۔۳۵]

مشرکوں نے کہا کہ اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤ (اجداد) اس کے سوا نہ کسی شے کی پرستش کرتے اور نہ ہی (اپنی طرف سے) اس کے حکم کے بغیر کسی شے کو حرام ٹھہراتے۔ ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی (حیلہ) کیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [۱۴۹-۶، ۱۵۰]

عنقریب مشرکین یہ حجت پیش کریں گے کہ خدائی مشیت ہوتی تو ہم اور ہمارے آباؤ (اجداد) نہ شرک کرتے نہ (ازخود) کسی شے کو حرام کرتے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پیغمبروں کو) ایسے ہی جھٹلایا یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے (اے پیغمبر) ان سے پوچھو تمہارے پاس (کوئی کتابی) سند بھی ہے کہ ہمارے دکھانے کے لیے نکالو تم تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور اٹکلیں دوڑاتے ہو۔ (اے پیغمبر آپ کہیے حجت کاملہ تو خدا ہی کی حجت ہے وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا۔

فصل ⑤

کلمہ سے داخلہ جنت:

قائل کے قول ﴿مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾ (جو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے وہ جنت میں داخل ہوگا) اور حدیث مذکورہ سے احتجاج کا جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں وعدہ وعید دونوں کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ [۴-۱۰]

یتیموں کا مال ناحق (خورد برد کر کے) کھا جانے والے اپنے شکموں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم رسید ہوں گے۔

نیز ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا. [٤-٢٩-٣٠]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ لیکن باہمی رضا مندی سے تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ایک دوسرے کو قتل مت کرو۔ خدا تم پر بڑا مہربان ہے اور جو شخص ظلم وتعدی سے یہ کام کرے تو عنقریب ہی ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔ اور یہ امر خدا کو آسان ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ایسی اکثر مثالیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔اس لیے مومن کا فرض ہے کہ دونوں کی تصدیق کرے۔ایسا نہ ہو کہ بعض پر ایمان اور بعض سے کفر ہو کیونکہ جبریہ مشرکیہ وعدہ کی تو تصدیق کرتے ہیں مگر وعید کی بالکل تکذیب کرتے ہیں۔اس کے بالمقابل حروریہ ومعتزلہ وعدہ کی نہیں بلکہ صرف، وعید کی تصدیق کرتے ہیں۔مگر ہیں دونوں غلط،لیکن اہل سنت والجماعت کا وعدہ ووعید دونوں پر ایمان ہے۔

وعید وعقاب کی تین شرطیں

خدا نے جیسے اپنے وعید وعقاب کو تین شرطوں سے مشروط فرمایا ہے، کہ (۱) گنہگار توبہ نہ کرے) اگر تائب ہو جائے تو اس کی توبہ منظور ہے (۲) یا اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں۔ جو اس کے گناہوں کو مٹا ڈالیں۔﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتُ﴾ (۱۱-۱۴) کیونکہ نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔(۳) یا اس کی مغفرت کے لیے خدا کی مشیت نہ ہو) کیونکہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (٤-١١٦) اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور شرک کے علاوہ (تمام گناہوں کو) جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

ایسے ہی وعدہ کی تفسیر و بیان ہے (یعنی اس کی بھی تین شرطیں ہیں)

پانچ قسم کے لوگ

① **زبانی کلمہ گو:** جو زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور (عملاً رسول اللہ ﷺ کی) تکذیب کرے۔ وہ باتفاق مسلمین کافر ہے۔

② **وحی الٰہی کا منکر:** ایسے ہی خدا کی نازل کردہ (کتاب) سے کسی شے کا منکر کافر ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی پوری کتاب (وشریعت) پر ایمان لانا فرض ہے۔

③ **اہل کتاب:** اگر وہ اہل کتاب سے ہے تو اس کا معاملہ سپرد خدا ہے بخشے یا عذاب کرے۔

④ **مرتد:** اگر اسلام سے مرتد ہو کر ارتداد پر مرے، تو دوزخی ہے، کیونکہ برائیوں کو توبہ اور نیکیوں کو ارتداد ضائع کر دیتا ہے۔

⑤ **مخلوط العمل:** جس کے پاس نیکیاں اور برائیاں (دونوں موجود) ہوں تو خدا کا اس پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔ بلکہ

﴿مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ اور جو ذرہ بھر نیکی کرے گا۔ وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا اسے دیکھ پائے گا۔ [زلزال پ،۸]

اور اپنی رحمت و مغفرت سے اس پر فضل و احسان فرمائے گا۔

اور جو (مخلوط العمل) ایمان پر مرے۔ وہ ابدی جہنمی نہیں، لہٰذا زانی و چور آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ بلکہ جنت میں اس کا داخلہ لابدہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان کا ذرہ بھی ہوگا۔ وہ جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ مسئول عنہم لوگ، قدریہ، مباحیہ، مشرکیہ کے نام سے موسوم ہیں اور ان کی مذمت میں اس قدر آثار آئے ہیں کہ اس (مختصر) جواب میں سما نہیں سکتے۔

تیسرا رسالہ

﴿ اَلنِّیَّۃُ فِی الْعِبَادَاتِ ﴾

اِستفتاءِ متعلقہ:

نیت در طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عتق، جہاد وغیرہ

❶ نیت کا موقعہ و محل دل ہے یا زبان؟ ❷ جہری نیت کرنا واجب ہے یا مستحب ❸ کیا کوئی مسلمان اس بات کا قائل ہے کہ جہری نیت نہ ہو، تو نماز وغیرہ باطل ہو جاتی ہے ❹ یا کسی نے جہری نیت کرنے والے کی نماز کو آہستہ کہنے والے کی نماز سے افضل کہا ہے۔ خواہ وہ امام ہو یا مقتدی، یا منفرد ❺ تلفظ بالنیۃ واجب ہے یا نہیں؟ ❻ کیا ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ اسلام میں سے کوئی تلفظ نہ ہونے سے بطلان نماز کا قائل ہے؟ ❼ اگر تلفظ بالنیۃ واجب نہیں تو کیا مستحب ہے؟ ❽ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ اور خلفاءِ راشدین کا مسلک کیا ہے؟ ❾ کیا جہر بالنیۃ پر باعتقاد و مشروعیت اصرار کنندہ شخص، بدعتی، اور شریعت اسلامیہ کا مخالف ہے؟ ❿ اگر باز نہ آئے تو مستحق تعزیر و عقوبت ہے یا نہیں؟

جواب

شیخ الاسلام تقی الدین، ۔ ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ نے بقیام دمشق، صفر۔۔۔۔۔ تحریر فرمایا۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ تمام حمد و ثنا کا سزاوار خدائے رب العالمین ہے۔

محلِ نیت دل ہے، زبان نہیں

جملہ عبادات، طہارت، صلوٰۃ و زکوٰۃ صیام و حج، عتق و جہاد وغیرہ میں، باتفاق ائمہ اسلام محل نیت دل ہے، زبان نہیں۔

نیت قلبی معتبر ہے۔

(اگر نیت قلبی کے خلاف زبان سے کچھ کہے تو اعتبار نیت قلبی کا ہوگا۔لفظوں کا نہیں (۲) اگر محض زبان سے نیت کرے ،مگر دل میں نہ ہو۔تو باتفاق ائمہ مسلمین یہ نا جائز ہے کیونکہ:

نیت کا لغوی مفہوم

نیت،قصد وعزم کی جنس سے ہے۔

عربی کا مقولہ ہے:۔

﴿نَوَاکَ اللّٰهَ بِخَیْرٍ اَیْ قَصَدَکَ بِخَیْرٍ﴾ خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی نیت کی یعنی بھلائی کا ارادہ کیا۔

استشہاد بالحدیث:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:۔

﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَ تُهٗ اِلٰی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فهجرته الی الله ورسوله وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْاِلٰی امْرَءَ ةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهَا﴾ [بخاری ومسلم]

عمل نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی نیت کا پھل ملے گا ،تو جس کی ہجرت اللہ کی اور اس کے رسول کی جانب ہو۔وہ مہاجر الی اللہ والرسول ہے اور جس کی ہجرت حصول دنیا،یا تزویج عورت کی غرض سے ہوتو وہ اسی چیز کا مہاجر ہے جس کے لیے اس نے ہجرت اختیار کی۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی مراد باتفاق ائمہ اربعہ وغیرہم نیت قلبی ہے۔لسانی نہیں اور سبب حدیث بھی اسی پر دال ہے۔ کیونکہ۔

مہاجر اُم قیس کا واقعہ

اس کا سبب یہ ہے کہ ایک عورت بنام امّ قیس سے شادی کی خاطر ایک شخص نے مکہ

سے مدینہ منورہ کی ہجرت کی تو اس کا نام مہاجر ام قیس پڑ گیا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ حدیث بیان فرمائی۔ تو یہ اس کی نیت قلبی تھی (لسانی نہیں)

جہری نیت بدعت ہے

جہر بالنیۃ باتفاق مسلمین نہ واجب ہے، نہ مستحب اور نہ ہی کسی مسلمان کے نزدیک جہراً نیت نہ کہنے والے کی نماز باطل ہوتی ہے بلکہ جاہر بالنیۃ جب اسے حکم شرع سمجھ کر کرے۔ تو وہ بدعتی (مخالفت شریعت)، جاہل، گمراہ، مستحق تعزیر و عقوبت ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور توضیح (مسائل) کے بعد بھی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ خصوصاً جب کہ رفع صوت کے باعث اپنے ساتھی کے لیے موجب تکلیف بنے یا بار بار کہے تو سخت تعزیر کے قابل ہے۔

اہل اسلام میں سے کوئی شخص بھی صلوٰۃ جاہر سے صلوٰۃ مخافت کی افضیلت کا قائل نہیں خواہ امام ہو، یا مقتدی یا منفرد۔

سری نیت کے عدم وجوب پر ائمہ کا اتفاق

آہستہ تلفظ بالنیۃ کرنا بھی ائمہ اربعہ اور جملہ ائمہ مسلمین کے نزدیک واجب نہیں، نہ ہی کوئی امام طہارت و صلوٰۃ روزہ و حج وغیرہ میں تلفظ بالنیہ کا قائل ہے۔

زبان سے کسی نماز کا نام لینا کیا ضروری ہے:

نمازی کو زبان سے یوں کہنا بھی ضروری نہیں کہ میں ظہر یا عصر پڑھ رہا ہوں، یا امام یا مقتدی ہوں، یا فرض یا نفل پڑھ رہا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ بلکہ دل میں نیت کا (موجود) ہونا کافی ہے اور خدا تعالیٰ تو پہلے ہی ﴿عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر﴾ ہے۔

غسل و وضو، اور روزہ میں

ایسے ہی غسل جنابت و وضو میں محض نیت قلبی ہی کافی ہے۔ نیت روزہ کا بھی یہی حال ہے۔ کسی کو رمضان شریف میں زبانی ﴿ اَنَا صَائِمٌ غَدًا ﴾ (میں کل روزہ رکھوں گا) کہنا باتفاق ائمہ کرام واجب نہیں بلکہ دل میں نیت کا ہونا کافی ہے۔

مفہوم نیت

نیت، تبلیغ علم کا نام ہے تو جسے یہ معلوم ہو، کہ میں فلاں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، یقیناً وہ اس کی نیت کرے گا۔ جب کسی مسلم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل رمضان ہے، تو وہ روزہ داروں سے ایک روزہ دار ہو گا۔ اور یقیناً وہ اس کی نیت (ضرور) کرے گا۔ اگر اسے علم ہو کہ کل عید ہے، تو اس رات وہ روزہ کی نیت نہیں کرے گا۔ اسی طرح جب یہ معلوم ہو کہ صلوٰۃ قائمہ صلوٰۃ فجر یا ظہر ہے، اور یہ بھی علم ہو، کہ فجر یا ظہر ہی پڑھنے کا ارادہ ہے تو وہ اسی نماز کی نیت کرے گا یہ ناممکن ہے کہ علم میں ہو فجر اور نیت کرے ظہر کی۔ ایسے ہی جب معلوم ہو کہ امام یا مقتدی بن کر نماز ادا کرنا چاہتا ہے تو ضرور یہی نیت کرے گا اگر منفرد ہو تو نیت بھی یقینی منفرد کی ہو گی۔

نیت، علم و اعتقاد کے تابع ہوتی ہے

نیت یقیناً علم و اعتقاد کے تابع ہوتی ہے بشرطیکہ ارادہ فعل کا علم ہو۔ جب یہ معلوم ہو کہ ظہر پڑھنے کا ارادہ ہے نیز یہ بھی معلوم ہو کہ یہ نماز، نماز ظہر ہی ہے، تو غیر ظہر کا قصد بھی نہیں کرے گا۔

غلطی اعتقاد یا واقعہ کی دو صورتیں

اگر بقاءِ وقت کے خیال سے اسی وقت کی نماز کی نیت کر لے' بعد ازیں خروج وقت کا پتہ لگ جائے تو باتفاق ائمہ اسے وہی نماز کافی ہے۔

اور اگر خروج وقت کے خیال سے بعد الوقت نیت کرے۔ بعد ازاں واضح ہو کہ نماز اپنے وقت میں ہوئی۔ پھر بھی باتفاق ائمہ وہی نماز کافی ہے۔ اگر کسی خاص امام مثلاً زید کے پیچھے نماز پڑھنے کا قصد تھا مگر امام کوئی غیر تھا تو اس نے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ اگر قصد امام حاضر کے پیچھے پڑھنے کا تھا، خواہ کوئی امام ہو اور خیال میں وہ زید تھا، مگر معلوم ہوا کہ عمر ہے تو یہ مضر نہیں۔

مثال دیگر

ایسے ہی اگر حاضر میت کا جنازہ مقصود تھا، خواہ کوئی ہو اور خیال میں مرد تھا مگر معلوم ہوا کہ عورت ہے تو جنازہ صحیح ہے، بخلاف اینکہ مقصود کسی خاص شخص کا جنازہ ہو۔ جو اس کے ذہن میں ہے اور جنازہ بھی اسی کا پڑھے، مگر معلوم ہوا کہ کوئی اور آدمی ہے تو اس صورت میں اس نے حاضر میت کا جنازہ نہیں پڑھا۔

(ہر صورت) یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تلفظ بالنیہ کسی امام کے نزدیک واجب نہیں۔

منشاء غلطی

لیکن بعض متاخرین نے مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس تلفظ کی ایک وجہ نکالی ہے۔ جسے جمہور ائمہ شوافع نے غلط ٹھہرایا ہے۔ غلطی یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء نماز میں کچھ نطق کا ہونا ضروری بتایا ہے اور اس غلطی کنندہ نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے امام شافعیؒ کی مراد نطق بالنیہ ہے اسی لیے تمام شوافع نطق کرنے لگ گئے ہیں۔

تلفظ بالنیۃ میں دو قول:

اور تلفظ بالنیۃ مستحب ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کے دو مشہور قول ہیں۔

پہلا قول:

بعض نے تلفظ بالنیہ کو مستحب سمجھا ہے۔ جیسا کہ (اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ اور تلفظ بالنیہ کو مؤکد کہا اور نماز روزہ حج وغیرہ میں اسے مستحب سمجھا ہے۔

دوسرا قول

اور بعض نے اسے مستحب نہیں سمجھا۔ جیسا کہ بعض اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے۔ اور یہی امام مالکؒ واحمدؒ دیگر آئمہ سے منصوص ہے۔

قول صحیح:

ابوداؤد نے فرمایا۔ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ آپ تکبیر تحریمہ سے پہلے کچھ پڑھتے ہیں؟ فرمایا نہیں! اور یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نماز اور حج وغیرہ عبادات میں تلفظ بالنیہ کرتے تھے۔ نہ ہی تلفظ بالنیہ کا کسی کو حکم دیا ہے بلکہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو یہی تعلیم دی، کہ نماز پڑھنے لگو تو تکبیر کہو اور خود بھی نماز کے لیے جب کھڑے ہوتے، تو (صرف) تکبیر کہتے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرمایا:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا تکبیر سے اور قرأت کو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر سے پہلے نہ تلفظ بالنیہ کیا ہے، نہ ہی اور کچھ پڑھا ہے اور نہ ہی کسی مسلمان کو اس کی تعلیم دی ہے اور اگر زبان سے نیت کرنا مستحب ہوتا تو خود کرتے اور مسلمانوں کو بھی سکھاتے ایسے ہی۔

تلبیہّ حج سے پہلے کچھ کہنا ناجائز ہے۔

حج میں احرام کا افتتاح تلبیہ سے کرتے اور اہل اسلام کے لیے بھی یہی مشروع فرمایا، کہ آغاز حج میں تلبیہ کہیں اور ضباعہ رضی اللہ عنہا بنت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ حج کر اور شرط کر لے کہہ:

﴿لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَمُحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ﴾ حاضر ہوں خدایا حاضر ہوں۔ جہاں رکاوٹ ہو جائے۔ میرے لیے وہی احرام کھولنے کا مقام ہے۔

تو اسے یہ حکم دیا تھا، کہ تلبیہ کے بعد شرط کرے لیکن کسی کے لیے تلبیہ کے پہلے کچھ بھی مشروع نہیں فرمایا، یہ کہنے کی ضرورت نہیں، کہ

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّي اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ أَوِالْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ﴾ خدا! میں عمرہ یا حج یا عمرہ وحج (دونوں) کا ارادہ کرتا ہوں۔

نہ ہی یوں کہنے کی ضرورت ہے، کہ

﴿فَيَسِّرْهُ عَلَيَّ وَتَقَبَّلْ مِنِّيْ﴾ خدایا! اسے آسان فرمایئے اور قبول کیجئے۔

نہ ہی یہ کہے، کہ

﴿نَوَيْتَ الْحَجَّ اَوِالْعُمْرَةَ اَوْنَوَ يْتُهَا جَمِيْعًا﴾ میں نے حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کی۔

نہ ہی اَحْرَمْتُ لِلّٰهِ میں نے رضائے الٰہی کی غرض سے احرام باندھا۔ وغیرہ عبارتیں پڑھنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی تلبیہ سے پہلے اور کچھ کہنے کی ضرورت ہے، بلکہ حج میں تلبیہ ایسے ہے، جیسے نماز میں تکبیر ہے۔

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے۔

﴿فُلَانٌ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ وَاَهَلَّ بِهِمَا﴾ فلاں شخص نے حج وعمرہ یا دونوں کے لیے اہلال یعنی تلبیہ کہا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے ﴿كَبَّرَ لِلصَّلٰوةِ﴾ (نماز کے لیے تکبیر کہی) بلند آواز سے تلبیہ کرنے کو اہلال کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنے تلبیہ میں جو یہ کہتے تھے لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا (عمرہ وحج کے لیے حاضر ہوں) تو تلبیہ کے بعد ارادہ فعل (حج) کا نام لیتے تھے' پہلے نہیں اور لوگوں نے جو تکبیر وتلبیہ کے پہلے اور طہارت و جملہ عبادات میں نیت کے الفاظ گھڑ رکھے ہیں، سراسر بدعت وغیر مشروع ہیں، اور عبادات مشروعہ میں خود ساختہ اضافے' جنہیں رسول خدا صلی ﷺ نے مشروع نہیں فرمایا، بلکہ عبادات میں اس کے ترک پر مداومت کی ہے۔ انہیں کرنا اور ان پر مداومت کرنا دو وجہ سے بدعت وضلالت ہے۔ اول بلحاظ اعتقاد معتقد کہ یہ مشروع ومستحب ہے اس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ نے یقیناً اسے نہیں کیا تو اس قول کی حقیقت یہ ہوئی کہ ہمارا فعل، رسول اللہ ﷺ کے فعل سے اکمل وافضل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بدعت کی تشریح:

مالک بن انس ﷺ سے کسی نے احرام قبل المیقات کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا "فتنے کا خطرہ ہے" سائل نے کہا "اس میں کونسا فتنہ ہے؟ یہ تو اطاعت الٰہی میں زیادہ کوشش ہے"۔ فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا فتنہ ہو سکتا ہے، کہ نفلی امر کے متعلق تیرا یہ گمان ہو کہ تو نے خصوصا وہ فضل (وکمال) حاصل کر لیا ہے جو رسول خدا ﷺ کو بھی حاصل نہیں" اور آیت شریفہ تلاوت فرمائی:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ حکم رسول ﷺ کے مخالفین کو فتنہ و عذاب الیم میں مبتلا ہونے سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

سنت سے بے توجہی

صحیحین میں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ فرمایا

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں۔

یعنی جو میری سنت سے غیر سنت کو افضل سمجھتے ہوئے بدیں خیال سنت سے اعراض کر جائے کہ اس کی مرغوبہ چیز غیر مرغوب سے افضل ہے وہ میرے طریقہ پر نہیں۔

الا ان خير الكلام كلام الله و خير الهدى هدى محمد ﷺ خبردار! تمام کلاموں سے بہتر خدائی کلام ہے اور سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت محمدی ﷺ ہے۔

چنانچہ بخاری میں آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جمعہ کے دن آپ خطبہ میں یہ الفاظ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تو (اب) جو شخص کسی کی ہدایت کو ہدایت محمدی ﷺ سے افضل کہے وہ مفتون و گمراہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ حکم رسول کے مخالفین کو فتنہ و عذاب الیم میں مبتلا ہونے سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

[۲۴-۶۳]

پھر اللہ ہی نے مسلمانوں کو اتباع رسول ﷺ اور رسول علیہ السلام کے مقرر کردہ واجبات و مستحبات وجوب واستحباب کے عقیدہ کا حکم دیا ہے اور یہ کہ اس سے کوئی چیز افضل نہیں جس کا یہ عقیدہ نہ ہو وہ اللہ کا نافرمان ہے۔

فرقہ غالیہ کے لیے بددعا

صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ ﴿قَدْ هَلَكَ الْمتنطعُون﴾ (شرع میں غلو کرنے والے ہلاک ہو جائیں)

سنت میں میانہ روی بدعت میں کوشش کرنے سے بہتر ہے:

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''اقتصاد فی السنۃ'' اجتہاد فی البدعۃ سے بہتر ہے صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

﴿صَلٰوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ مَنْ خَالَفَ السُّنَةَ فَقَدْ كَفَرَ﴾ صلوٰۃ سفر دو رکعت ہے جو سنت کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔

یعنی جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مسافر کو سفر میں دو رکعتیں ناکافی ہیں تو اس نے کفر کیا۔

دوسری وجہ

دوم بلحاظ مداومت وعبادات یعنی ایسے فعل پر مداومت جو رسول اللہ ﷺ کے دائمی فعل کے (بالکل) مخالف ہو۔ یہ باتفاق ائمہ بدعت ہے، خواہ کسی کو اس میں زیادہ نیکی کا گمان کیوں نہ ہو جیسا کہ بعض متقدمین نے عیدین میں اذان واقامت ایجاد کی۔ اس لیے اسے منع کر دیا گیا اور ائمہ اسلام نے بھی مکروہ سمجھا۔ ایسے ہی اگر سعی (بین الصفا والمروۃ) کے بعد طواف کی دو رکعتوں پر قیاس کر کے دو رکعت نماز پڑھے (تو اس نے بدعت ایجاد کی)

بعض متاخرین کی مخالفتِ سنت

بعض متاخرین شافعیہ نے اسے مستحب سمجھا ہے اور بعض متاخرین حنابلہ نے حاجی کے

لیے دخول مسجد الحرام کے وقت افتتاح تحیۃ المسجد کو مستحب سمجھا ہے مگر یہ دونوں فعل خلاف سنت ہیں۔

فعل سنت

سنت تو یہ ہے کہ محرم طواف سے افتتاح کرے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے دخول مسجد کے وقت (خود) کیا مگر مقیم، جو طواف کے سوا محض ارادۂ نماز سے جائے۔ اس کا یہ حکم نہیں۔

تکمیل دین واتمام نعمت

غرضیکہ خدا نے اپنے رسول ﷺ اور اس کی امت کے لیے دین کو کامل کر کے اتمام نعمت فرمادیا (اب) جو شخص کسی عمل کو از خود واجب و مستحب ٹھہرا لے جسے خدا اور رسول ﷺ نے واجب و مستحب نہیں ٹھہرایا وہ غلطی پر ہے۔ جیسا کہ خدا اور رسول ﷺ کے مکروہ اور حرام کردہ فعل کو خود حرام مکروہ ٹھیرا لے تو غلطی پر ہے۔ لہٰذا اصل حقیقت یہی ہے کہ حرام وہی ہے جسے خدا اور رسول ﷺ حرام کرے اور دین وہی ہے جسے خدا اور رسول ﷺ مشروع فرمائیں۔

جہال کا دین

جو ان دونوں سے نکل جائے، وہ ایسے گروہ میں داخل ہوا۔ جس نے شرع میں وہ چیزیں رائج کیں جن کی خدا نے اجازت نہیں دی اور وہ وہ چیزیں حرام کیں جنہیں خدا نے حرام نہیں ٹھیرایا۔ اور یہ اہل جاہلیت و مخالفین رسول ﷺ کا دین ہے۔ جن کی مذمت خدا نے سورہ انعام واعراف وغیرہ میں بیان فرمائی، کیونکہ انہوں نے دین میں اللہ کے ممنوعات کو مشروع حلال کو حرام اور محرمات کو حلال ٹھہرالیا تھا۔ اس لیے خدا نے ان کی مذمت و عیب گوئی فرمائی۔

مومنوں کا دین

اسی لیے اہل ایمان یہ کہتے چلے آئے ہیں، کہ احکام خمسہ کا ایجاب واستحباب، تحلیل و تحریم اور کراہت صرف خدا و رسول ﷺ سے اخذ کیے جائیں، لہٰذا واجب وہی ہے جسے خدا اور رسول

صلی اللہ علیہ وسلم واجب فرمائیں۔ مستحب صرف وہ ہے جس کو خدا اور رسول مقرر فرمائے، اور حلال و حرام اور مکروہ بھی وہی ہو سکتے ہیں، جنہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حلال و حرام اور مکروہ ٹھہرائیں۔

تنازع اور رجوع الی اللہ والرسول صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں علماء کا تنازع ہو جائے اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ [٤۔٥٩]

ایماندارو! خدا اور رسول اور امیروں کی اطاعت کرو۔ کسی مسئلہ پر نزاع پڑ جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف رد کرو۔ بشرطیکہ خدا اور قیامت پر تمہارا ایمان ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔

جاہل مُفتی کی گوشمالی

اور جو شخص جاہل ہو کر، اور ائمہ کے متفقہ مسائل کے خلاف فتویٰ صادر کرے، اسے روکا جائے بصورت اصرار اس کی تادیب کی جائے جیسا کہ اس جیسے بے وقوفوں سے یہی سلوک ہوا کرتا ہے۔

غالی اماموں کی اقتداء ناجائز ہے

اور خلاف شریعت غالی (ومتعصب) امام کی پیروی نہ کرے۔ خواہ علم وفقہ میں کتنا ہی مشہور ہو۔ بلکہ مسئلہ کسی عالم (متحمل) سے دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعض سلف کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَنْظُرْ اِلٰی عَمَلِ الْفَقِیْهِ وَلٰكِنْ سَلْهُ یَصْدُقْكَ﴾

فقیہ کے عمل نہ دیکھئے اس سے سوال کیجئے کہ وہ سچی بات بتائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ

چوتھا رسالہ

مسائلِ نیّت

استفتاء شیخ وامام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بزمانہ قیام دیار مصریہ ۷۰۸ھ ہجری میں دریافت کیا گیا کہ:۔

ایک شخص بلند آواز سے نیت کرتا ہے اور یوں کہتا ہے۔ فلاں فلاں فرض پڑھنے کی نیت کرتا ہوں۔ (کبھی) کسی ایک خاص نماز کی تعیین کرتا ہے۔ (اور) کبھی رکعات کی اس طرح گنتی کرنے لگتا ہے کہ دوسرے آدمی کو تشویش میں ڈال دیتا ہے۔ کوئی سمجھائے کہ یہ خدا اور رسول کا حکم نہیں، تو جواب دیتا ہے کہ یہی تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے (نیز) امام جہری قرأت سے پڑھ رہا ہو، تو پیچھے بلند آواز سے پڑھنے لگ جاتا ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ اربعہ وغیرہ سے کسی نے ایسا کیا ہے؟ جب ائمہ مسلمین وعلماءِ اسلام نے بھی نہیں کیا تو ان کی طرف یہ حکم منسوب کرنے والا کون سی تعزیز کا مستوجب ہے۔

نیز وہ یہ کہتا ہے کہ ہر کوئی دین میں جس طرح چاہے کر سکتا ہے اور جو اس امر کا انکار کرے، وہ جاہل ہے۔

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. تمام حمد وثنا کا سزاوار خدائے رب العالمین ہی ہے۔

جہر بلفظ النیۃ نہ مشروع ہے۔ نہ علماءِ اسلام سے منقول ہے۔ نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے' نہ ہی خلفاء راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سلف صالحین اور ائمہ امت نے ایسا کیا ہے۔

جہری نیت کے مُدّعی سے توبہ کرانا

جس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ دین الٰہی ہے یا واجب ہے' اسے شرعی مسئلہ سمجھانا اور ایسے قول سے توبہ کرانا ضروری ہے۔ بصورتِ اصرار قابلِ گردن زدنی ہے۔

محلِ نیّت دل ہے، زبان نہیں

بلکہ باتفاق ائمہ اسلام (جملہ) عبادات مثلاً وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، کفارہ وغیرہ میں نیت واجبہ کا موقع و محل (صرف) دل ہے۔ کیونکہ

نیّت کا لغوی معنیٰ

نیت، قصد و ارادہ (کا نام) ہے اور قصد و ارادہ دونوں کا محل باتفاق عقلاً' دل ہے' زبان نہیں۔

نیت قلبی و تکلّمِ لسانی کی دو صورتیں

اگر نیت قلبی کچھ ہو اور زبان سے کچھ اور ہی کہے، تو اعتبار نیت قلبی کا ہوگا لفظوں کا نہیں۔ اگر نیت قلبی موجود ہو اور زبان سے بالکل خاموش رہے تو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور تمام اگلے پچھلے ائمہ اسلام کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہے اور اس میں کسی صاحب مذہب وفتویٰ کا اختلاف نہیں۔

بعض متاخرین کا زعمِ باطل

بعض متاخرین اتباع ائمہ کا زعم ہے کہ تلفظ بالنیہ واجب ہے مگر جہر بالنیۃ کو اس نے بھی واجب نہیں کیا اور اس کے باوجود یہ قول صریح غلط اور اجماع مسلمین کے بالکل مخالف ہے جس کو سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ' طریق خلفاء اور نماز صحابہ کی کیفیت کا علم ہوا سے یہ جانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ سب لوگ زبان سے نیت نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تلفظ بالنیہ کا حکم و تعلیم ثابت نہیں

نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا ارشاد فرمایا ہے، اور نہ ہی صحابہ کو اس کی تعلیم دی ہے۔

استشہاد بالحدیث

صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ مسئی صلوٰۃ اعرابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ نماز کے لیے جب کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جس قدر آسانی سے قرآن پڑھ سکتا ہو۔ پڑھ لیا کر۔

استشہاد دیگر سنن میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ وَتَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَ تَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ﴾ وضو نماز کی کنجی ہے تکبیر اس کی تحریم اور سلام اس کی تحلیل ہے۔

حدیث دیگر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:۔

﴿اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْتَتِحُ الصَّلٰوۃَ بِالتَّکْبِیْرِ وَالْقِرَأَۃِ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے، اور قرأت کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔

تواتر و اجماع مسلمین

اور نقل متواتر اور اجماع مسلمین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز تکبیر سے شروع کرتے تھے اور کسی مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے تکبیر سے پہلے تلفظ بالنیۃ جہری و سری نقل نہیں کیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارشاد فرمایا ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ یہ (تلفظ بالنیۃ ثابت) ہوتا تو اس کی نقل کے دواعی و ضروریات وافر تھے۔

اہلِ تواتر سے کتمانِ نقل ممتنع ہے

اہل تواتر سے اس کا کتمان نقل بھی عادتاً و شرعاً (دونوں طرح) محال ہے جب کسی نے یہ نقل نہیں کیا تو قطعاً معلوم ہو گیا کہ تلفظ بالنیۃ کچھ چیز نہیں اس لیے۔

تلفظ بالنیۃ میں دو مذہب

تلفظ بالنیۃ میں فقہا متاخرین کا تنازع ہے کہ کیا نیت قلبی کے ساتھ اس کا تلفظ بھی مستحب ہے؟

پہلا مذہب

مقلدین ابوحنیفہ رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ واحمد رحمہ اللہ کے ایک گروہ نے اسے مستحب سمجھا ہے۔ کہتے ہیں کہ تحقیق نیت کے لیے زیادہ تحقیق ووثوق کا باعث ہے۔

دوسرا مذہب

اور مالکیہ وحنابلہ وغیرہ کی ایک جماعت نے غیر مستحب بلکہ بدعت مکروہ خیال کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ

تلفظ بالنیۃ کے بدعت ہونے پر استدلال

اگر یہ (تلفظ) مستحب ہوتا آنحضرت ﷺ خود کرتے اور کرنے کا حکم دیتے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تقریب الٰہی کی تمام چیزیں خصوصاً نماز جس کا طریقہ آپ سے ہی اخذ ہوسکتا ہے۔ پوری طرح بیان فرمادی ہے اور صحیح بخاری میں آپ ﷺ سے ثابت ہے فرمایا۔

﴿صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ﴾ نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو

توصفۃ الصلوٰۃ میں یہ اور ایسے دیگر اضافے ان تمام زیادات کے قائم مقام ہیں۔ جو عبادات میں نو پیدا ہوگئے ہیں جیسا کہ

عیدین میں اذان واقامت کی بدعت

لوگوں نے عیدین میں اذان واقامت، اور سعی کے بعد مروہ پر دو رکعت پڑھنے کا اضافہ کرلیا ہے وامثالہا

تلفظ بالنیۃ عقلاً فاسد ہے

نیز ان کا یہ بھی قول ہے کہ تلفظ بالنیۃ عقلاً بھی فاسد ہے کیونکہ قائل کا یوں کہنا کہ

﴿اَنوِىْ اَنْ اَفْعَلَ كَذَا وَكَذَا﴾ میں فلاں فلاں کام کی نیت کرتا ہوں۔

ایسا ہے جیسے کہے کہ:

﴿اَنوِیُ اَنِّی اٰکُلُ هٰذَا الطَّعَامَ لاَشْبَعَ میں سیر ہونے کے لیے طعام کھانے کی نیت کرتا ہوں یا ستر کے لیے یہ کپڑا پہننے کی نیت کرتا ہوں وَاِنِّی اَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ لِاَسْتَتِرَ﴾

اور ایسی نیتیں جو دل میں (پہلے ہی) موجود ہوتی ہیں اور زبان سے ان کی قرأت کرنا بالکل قبیح امر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اے پیغمبر ﷺ! کہہ دے کیا خدا کو اپنا دین سکھانا چاہتے ہو۔ اسے تو کائنات (کے ذرہ ذرہ) کا علم ہے۔ [١٦.٤٩]

سلف کے ایک گروہ نے ارشاد الٰہی

﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾ [الدھر پ٢٩] ہم تمہیں محض خوشنودی خدا کے لیے کھلاتے ہیں کے متعلق کہا ہے کہ لوگوں نے زبان سے نہیں کہا بلکہ خدا نے یہ ان کے دلوں سے معلوم کیا ہے۔

تلفظ سری میں متاخرین کا اختلاف

غرضیکہ نیت قلبی کا ہونا بلا اختلاف ضروری ہے اور آہستہ تلفظ بالنیۃ کرنا مکروہ ہے، یا مستحب؟ اس میں متاخرین کا باہمی نزاع ہے۔ لیکن

جہری نیت اور اس کی تکریر منع وغیر مشروع ہے۔

جہر بالنیۃ باتفاق مسلمین مکروہ، منہی عنہ اور غیر مشروع ہے یہی حال بار بار نیت کرنے کا ہے اور (ان دونوں) جہر بلفظ النیہ اور بار بار نیت کرنے میں باتفاق مسلمین امام ومقتدی اور منفرد سب برابر ہیں کسی کو جائز نہیں، بلکہ ایسے افعال سے انہیں منع کرنا چاہیے، بلکہ جہر بالقراءۃ منفرد کو بھی غیر مشروع ہے جبکہ دوسروں کے لیے ایذا رسانی کا موجب ہو۔ چنانچہ

تعلیم نبوی ﷺ

ایک دفعہ صحابہ کرام نماز پڑھ رہے تھے۔ آنحضرت ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا:

﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ کُلُّکُمْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلَا یَجْهَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ﴾ لوگو! تم سب اپنے رب سے سرگوشی کر رہے ہوتے ہو لہٰذا ایک دوسرے کے پاس اونچی آواز سے قرأت مت پڑھو [مسلم]

نماز میں کبھی جہراً ذکر و دعا کا حرج نہیں

اور مقتدی کے لیے تو باتفاق مسلمین یہی طریقہ ہے کہ آہستہ پڑھے۔ البتہ کبھی کچھ ذکر جہراً کر لے تو حرج نہیں جیسا کہ سری نمازوں میں امام کوئی آیت مقتدیوں کو سنائے تو حرج نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی نماز میں کبھی کوئی آیت مقتدیوں کو سنا لیتے تھے۔ نیز صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ افتتاح نماز اور قومہ کے وقت بعض مقتدی صحابہ جہر بالدعا کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہ فرماتے۔

بدعت اور اس کی تحسین پر سزا

جو فعل بدعت اور اس کی تحسین پر اصرار کرے، اس کے لیے ایسی تعزیر مناسب ہے۔ جس سے وہ خود اور اس جیسے دیگر لوگ ایسی حرکات سے رک جائیں اور غلطی سے جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باطل منسوب کرے اسے سمجھایا جائے۔ اگر باز نہ آئے تو سزا دی جائے۔

جاہل مُفتی اور اس کی اعانت

اور کسی کو یہ جائز نہیں کہ بلا علم فتویٰ صادر کرے یا ایسے شخص کی امداد کرے یا دین میں وہ چیزیں داخل کرے جو دین سے نہیں ہیں۔

کلمۂ قبیحہ اور اس کی سزا

اور یہ کلمہ کہ ''دین میں اپنی حسب خواہش کام کرنا چاہیے'' نہایت بُرا ہے اور اس سے توبہ کرانا چاہیے توبہ کرے تو بہتر ہے ورنہ سزا دینا ضروری ہے بلکہ ایسے کلمہ پر اعتقاد رکھنا موجب قتل ہے۔ لہٰذا۔

خلاف شریعت اور وعید الٰہی

کسی کو لائق نہیں کہ دین میں خدا اور رسول ﷺ کے غیر مشروعہ احکام پر عمل کرے چہ جائے کہ اپنی خواہشات و ہوائے نفس کی پیروی کرے ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (۱۲:۶) وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [۲۸۔۵۰]

ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو نفسانی خواہش پر چلتا ہے بدوں اس کے کہ منجانب اللہ اس کے پاس کوئی دلیل ہو۔ یقیناً بہت لوگ بلا سند اپنی خواہشات کے ساتھ (خلق خدا) کو گمراہ کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [۳۰:۲۶]

خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا۔ کہ تجھے خدائی راستے سے گمراہ کردے گی۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَلَاتَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞ [۵۔۷۷]

ان لوگوں کی خواہشات پر مت چلو جو پہلے ہی گمراہ ہوئے اور بہت لوگوں کو گمراہ کر کے چھوڑا اور راہ راست سے دور ہو گئے۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَ هُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (۲۵۔۴۳،۴۴)

اے پیغمبر ﷺ! کیا آپ نے اسے دیکھا! جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں نہیں ہرگز نہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں (کیونکہ وہ بھی بات کو سنتے سمجھتے نہیں) بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْ مَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوْا فِیٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ [٤۔٦٥]

تیرے رب کی قسم! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھے باہمی جھگڑوں میں منصف نہ ٹھہرالیں پھر آپ ﷺ کے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔

اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے۔

﴿وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوٰہُ تَبَعًا لَمَا جِئْتُ بِہٖ﴾ [احمد]

خدا کی قسم! جب تک ان کی خواہش نفس میری شریعت کے تابع نہ ہو۔ یہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔

اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْابِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا﴾ [٤۔٦٠]

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو قرآن اور اس سے پہلی کتابوں پر ایمان کے مدعی ہو کر تحاکم الی الطاغوت چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس سے انکار کر دینے کا حکم دیئے گئے ہیں اور شیطان انہیں انتہائی ضلالت میں لے جانا چاہتا ہے جب انہیں قرآن و رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ آپ ﷺ سے اعراض کرتے ہوئے ہٹ رہتے ہیں۔

نیز فرمایا۔

﴿ اَمْ لَھُمْ شُرَکآءُ شَرَعُوْالَھُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ ﴾ [٤٢۔٢١]

کیا ان کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

اور فرمان خداوندی ہے:

﴿آلمص o کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِی صَدْرِکَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَبِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ o اتَّبِعُوْا مَااُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلاً مَا تَذَکَّرُوْنَ﴾ [۱-۲-۲]

یہ کتاب آپ پر اتاری گئی ہے کہ لوگوں کو اس کے ساتھ ڈرائیں لہٰذا آپ ﷺ کو اس کی تبلیغ سے دل تنگی نہیں چاہیے اور مومنین کے لیے نصیحت ہے۔ لوگو! تم کو اپنے رب کی منزل کتاب کی پیروی کرنی چاہیے اور خدا کے سوا دوسرے رفیقوں کی مت پیروی کرو۔ کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔

اور ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ﴾ [۲۲-۷۱]

اگر حق بھی ان کی خواہشات کا تابع ہو جاتا تو تمام کائنات تباہ و برباد ہو جاتی۔

قرآن میں ایسی اکثر مثالیں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ انسان پر حق کی اتباع لازم ہے اور دین کو خواہش کا تابع نہ بنانا چاہیے۔

پانچواں رسالہ

ھجر جمیل، صفح جمیل، صبر جمیل

شیخ الاسلام، مفتی امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہجر جمیل، صفح جمیل، صبر جمیل اور اقسام تقویٰ وصبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے یوں جواب دیا۔

الجواب

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اَمَّا بَعْدُ۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجر جمیل، صفح جمیل اور صبر جمیل کا ارشاد فرمایا۔

ہجرِ جمیل

ہجر جمیل یہ ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر اس سے الگ ہو جانا

صفح جمیل

پیشانی پر قہر وعتاب کے آثار لائے بغیر کسی کو معاف کر دینا صفح جمیل ہے۔

صبر جمیل

زبان پر کسی مخلوق کے سامنے شکایت کیے بغیر صبر کرنا صبر جمیل کہلاتا ہے۔

شکوہ الی اللہ صبر جمیل کے منافی نہیں

(شکوہِ الی اللہ اور صبر جمیل میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔)

دیکھیے! یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

﴿اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ میں تو اپنی بے قراری وغم کا شکوہ محض اللہ سے کرتا ہوں۔ [۱۲۔۸۶]

نیز دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ لہٰذا میں ایسا صبر کروں گا۔ جس میں کوئی شکایت نہ ہوگی اور تمہاری بناوٹی باتوں پر خدا سے ہی امداد کی درخواست ہے۔ [۱۲۔۸۶]

ایسے ہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے۔

﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ﴾ خدایا: تمام حمد وثنا تیرے لیے ہے تو ہی ہماری شکایتوں کا مرجع ہے تو ہی ہمارا سہارا ہے اور تو ہی ہمارا فریادرس۔ تجھی پر بھروسہ ہے نیکی کرنے کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی طاقت محض تیری امداد سے ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! جب حضور ﷺ کو طائف میں کفار کے ہاتھوں تکلیف پہنچی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

﴿اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْاضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اَللّٰهُمَّ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ ؟ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى مَنْ عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ اَبَا لِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتِ الظُّلُمٰتُ لَهٗ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الٰہی! میں تجھی سے اپنی بیکسی وبیچارگی کسمپرسی کا شکوہ کرتا ہوں تو ہی میرا اور کمزوروں کا رب ہے۔ اے مولا! تو مجھے کس کے سپرد کرنا چاہتا ہے کیا ایسے بعید آدمی کی طرف جو ترش روئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کی طرف جسے تو نے میرے معاملات کا مالک بنا دیا ہو اگر تو مجھ پر خشم آلود نہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ البتہ تجھ سے عافیت مطلوب ہے جو میرے لیے تمام چیزوں سے وسیع تر ہے، میں تیرے غصہ وغضب کے

الدُّنیا اَنْ یَنْزِلَ بِیْ سَخَطُکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ غَضَبُکَ لَکَ الْغِنیٰ حَتّٰی تَرْضٰی﴾ نزول سے تیرے چہرہ اقدس کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس کے سامنے تمام تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور جس کے باعث دنیا و آخرت کے معاملات درست ہو جاتے ہیں تو اتنا بے نیاز ہے جتنی تیری رضا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نماز فجر میں ﴿اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰهِ﴾ پڑھا کرتے اور اس قدر روتے کہ آپ کی آواز آخری صفوں تک پہنچتی۔

شکویٰ الی المخلوق اور صبر جمیل میں منافاۃ

مگر شکویٰ الی المخلوق، شکوہِ الی اللہ کے برعکس صبر جمیل کے بالکل منافی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی مرض الموت میں کہا گیا، کہ عبدالرحمٰن اور طاؤس بن کیسان (مشہور تابعی) نے رونے کو مکروہ سمجھا اور فرمایا کہ یہ بھی شکوہ ہے تو مرتے دم تک آپ کی زبان سے آہ کا لفظ بھی نہ سنا گیا۔

وجہ منافات

یہ اس لیے شکوہ ہے کہ مریض زبانِ حال سے مضرات کے دفعیہ اور مفید چیزوں کے حصول کا طالب ہوتا ہے، اور انسان مامور ہے کہ تمام مخلوق سے دستبردار ہو کر محض اپنے پروردگار ہی سے سوال کرے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ﴾ [۹۴. ۷. ۸] جب تم دوسرے مشاغل سے فارغ ہو جاؤ تو عبادت کی ریاضت کرو اور اپنے پروردگار کی طرف پورے پورے متوجہ ہو جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔

﴿اِذَا سَاَلْتَ فَسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ﴾ جب تجھے کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ سے کرنا اور مدد طلب کرنی ہو تو بھی اسی سے طلب کیجئے۔

فعلِ مأمور، ترکِ محظور صبر بہ قضاءِ مقدور

انسان کے لیے دو چیزوں کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔(۱) مامورات کا بجالانا، محظورات کا ترک کرنا (۲) اور مصائب تقدیر پر صبر کرنا۔ پہلے کا نام تقویٰ ہے اور دوسرے کو صبر کہتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ﴾ (۱ تا ۱۱۹) [۳.۷]

ایماندارو! اپنے سوا کسی غیر کو اندرونی دوست مت بناؤ وہ تو تمہاری بربادی میں کچھ فروگذاشت نہیں کرتے اور اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہو تو ان کی مکاریاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گی۔ خدا تعالیٰ کو ان کے اعمال پر پورا احاطہ ہے۔

نیز ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا وَ یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ﴾ [۳.۱۲٤]

ہاں! اگر تم صبر و تقویٰ پر مضبوط رہو، پھر (خواہ) وہ کفار تم پر اس جوش و خروش سے یک دم چڑھ بھی دوڑیں، تو خدا تعالیٰ تمہاری پانچ ہزار صاحبِ نشانی فرشتوں سے امداد فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے!

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًی كَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [۳.۸٦]

آئندہ مال و جان میں تمہاری آزمائش ہوگی اور یہود و نصاریٰ سے تمہیں بہت سی دل آزار باتیں بھی سننا ہوگا، نیز مشرکین سے بہت سی تکالیف کا سامنا ہوگا لیکن اگر تقویٰ و صبر یعنی پرہیزگاری و پامردی سے کام لو، تو یقین کیجئے کہ ہمت و شجاعت کا کام ہے۔

یوسف علیہ السلام نے تقویٰ وصبر کے متعلق فرمایا!

﴿اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [۱۲. ۹۰] میں یوسف ہوں یہ (بنیامین) میرا بھائی ہے، ہم پر خدا نے بڑا ہی احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ وصبر اختیار کرے تو خدا ایسے نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

وصیت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اسی لیے شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے دیگر صاحب استقامت مشائخ نے اپنے ارشادات میں مندرجہ ذیل دو اصل کی اکثر وصیت فرمائی ہے۔

(۱) فعل مامور کی بجا آوری میں جلدی کرنا، محظورات کو ترک کرنا (۲) امر مقدر پر صبر و رضا اختیار کرنا۔

بدترین قولی واعتقادی لغزشیں اور ان کی چار اقسام

قسم اوّل

اس مقام میں عوام نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بلکہ اہل سلوک بھی یہاں لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ بعض نے قضاؤ قدر کا اقرار کیا۔ حقیقتِ کونیہ کی شہادت دی مگر حقیقتِ دینیہ کا انکار کر دیا۔ بنابریں وہ توحید [1] ربوبیت کے اقرار یعنی خدائے تعالیٰ کو تمام کائنات کا خالق

[1] شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں توحید الوہیت و توحید ربوبیت میں جا بجا فرق واضح کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ توحید دو قسم کی ہے، ایک یہ کہ تمام کائنات کا خالق و رزاق ایک ہے، جو قادر مطلق ہے، اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں، دوم یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھا جائے اسی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، اسی سے قضائے حاجات کی درخواست کی جائے اور اسی پر توکل اور اعتماد اور بھروسہ رکھا جائے اور دل میں اس کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو۔ اس کا نام توحید الوہیت ہے۔ پہلی توحید کا تمام کو اعتراف ہے، بلکہ کفار و مشرکین کو بھی اس سے انکار نہیں، اس لیے وہ تکمیل ایمان کے لیے کافی نہیں۔ جب تک کہ دوسری قسم کی توحید کو شامل نہ کیا جائے جو کفر و اسلام میں فارق و فاصل ہے اور جس کے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسی توحید کی تمام انبیاء علیہم السلام نے دعوت و تعلیم دی اور اسی کی طرف قرآن حکیم میں جا بجا دعوت دی گئی ہے۔ ''مترجم''

و مالک ورب تسلیم کرنے کے باوجود اس کے محبوب و پسندیدہ اور مبغوض و ناپسندیدہ کاموں میں فرق نہیں کرتے۔ مشہد جمع کو جس میں تمام مخلوق نیک و بد، مومن و کافر، متقی و فاجر، سچا پیغمبر اور جھوٹا اور جعلی نبی، جنتی و جہنمی، اولیاء اللہ اور دشمنان خدا، ملائکہ و مقربین و سرکش شیاطین سب کے سب مشترک مانتے ہیں، نیز حقیقت کونیہ یعنی صرف خدا کو اپنا رب اور خالق و مالک سمجھنے کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جس توحید الوہیت میں خدائے عزوجل نے فرق کیا ہے، مثلاً اولیاء اللہ و اعداء اللہ، مومنین و کفار، نیکو کار و بدکار، اہل جنت اور و اہل النار کا باہمی فرق اس میں فرق نہیں کرتے۔ یہی توحید الوہیت ہے۔ جس کے مفہوم میں صرف خدائے وحدہ لاشریک کی عبادات کرنا، اس کی اطاعت کرنا۔ اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنا۔ اس کی محبت و رضا کے کام کرنا، جن احکام کی تعمیل کا ارشاد فرمایا ہو۔ اسے بلا چون و چرا بجا لانا، خواہ وہ امر ایجاب ہو یا امر استحباب اور جن سے اس نے منع فرمایا ہو، اسے ترک کر دینا۔ خدا کے دوستوں کو دوست اور اس کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا، کفار و منافقین سے زبان، دل اور ہاتھ سے جہاد کرنا وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اس حقیقت دینیہ کا اقرار کرے جو ہر دو مذکورہ گروہ میں فارق ہے تو اہل اسلام، ورنہ مشرکین کی جنس سے ہے۔ اور یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر شریر ہے۔ کیونکہ حقیقت کونیہ کا تو مشرکین عرب کو بھی اقرار تھا، وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کا رب نہیں بلکہ انہیں اس کا پورا پورا اقرار تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان کا یہ عقیدہ بالوضاحت بیان فرمایا ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ [۳۹.۳۸] اگر ان سے دریافت کرو کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے؟ تو یہی کہیں گے کہ خدا نے

نیز دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ یارسول اللہ ﷺ اگر ان سے دریافت کرو کہ اگر تم میں کچھ علم کا مادہ ہے تو بتلاؤ کہ زمین اور اس کی تمام چیزیں کس کی ہیں؟ کہیں گے خدا کی تو کہہ

السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۝ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ قُلۡ فَاَنّٰى تُسۡحَرُوۡنَ﴾

[۲۳۔۸۵تا ۸۹]

دو پھر تمہیں کیوں نصیحت کارگر نہیں ہوتی پوچھو! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے کہہ دیں گے اللہ۔ کہہ دو پھر تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے۔ پوچھو! تمام کائنات کی حکومت وملکیت کس کے قبضہ قدرت میں ہے؟ وہ کون ہے جو دوسروں کو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ کہیں گے اللہ تو کہہ دو! پھر تم پر کون سا جادو چل جاتا ہے (کہ راہِ راست سے منحرف ہو جاتے ہو)

اسی لیے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ﴾ [۱۲۔۱۰۶]

خدا پر ایمان لانے کے باوجود اکثر لوگ مشرک ہوتے ہیں۔

سلف صالحین میں سے بعض نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کے دریافت کرنے پر خدا کو زمین وآسمان کا خالق تسلیم کرنے کے باوجود اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ جو سراسر منافی ایمان ہے۔

قسم دوم

بعض قضاؤ قدر کا اقرار مگر اوامر ونہی شرعیہ کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر کافر ہیں۔ کیونکہ انہیں ملائکہ اور رسولوں کا اقرار تھا جو دنیا میں خدا تعالیٰ کے اوامر ونہی لے کر آئے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بعض پر ایمان لاتے اور بعض سے انکار کر دیتے اس کے باوجود خدا نے انہیں کافر ٹھہرایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

بے شک وہ لوگ خدا اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾

رسولوں کے درمیان جدائی پیدا کریں اور کہتے ہیں کہ بعض کو تو مانتے ہیں مگر بعض دوسروں کو نہیں مانتے اور وہ چاہتے ہیں کہ ایک درمیانی راستہ اختیار کرلیں یہ لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں۔ [۵۰۔۵۱]

قسم سوم

بعض لوگ حقیقت کونیہ اور توحید ربوبیت جس میں تمام مخلوق شامل ہے، کی شہادت دیتے ہیں۔ تمام انسانوں کے قضاؤ قدر کے ماتحت ہونے کا اقرار کرتے ہوئے اس حقیقت کو اپنا مسلک قرار دیتے ہیں۔ اس لیے خدا اور رسول ﷺ کے فرمودہ احکام کے اطاعت گذار مومنوں، متقیوں اور خدا کے نافرمان کافر و بدکار لوگوں کو یکساں خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر کافر ہیں۔

ہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اتباع ظن و ہوا کی بنا پر بعض امور میں فرق کرتے ہیں اور بعض میں نہیں۔ مثلاً مومن و کافر میں فرق کرتے ہیں مگر نیک و بد میں نہیں۔ یا بعض ابرار و فجار میں فرق کرتے ہیں دوسروں میں نہیں۔ اس بنا پر جس قدر وہ ابرار و فجار میں تسویہ (برابری) کریں گے، اسی قدر ان کا ایمان ناقص ہوگا۔ ان میں ایمان بدین اللہ الفاروق صرف اسی قدر باقی ہوگا۔ جس قدر وہ خدا کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق روا رکھیں گے۔

قسم چہارم

اور بعض لوگ امر و نہی دینیہ کا اقرار اور قضاؤ قدر کا انکار کر کے امت محمدیہ ﷺ کے مجوسیوں یعنی معتزلہ وغیرہ کی طرح قدریہ ہو گئے۔ لہٰذا وہ مجوس ٹھہرے اور یہ مشرکین جو مجوسیوں سے بھی بدترین ہیں اور جو شخص ان دونوں کا اقرار کرے، مگر خدا تعالیٰ کو متناقض ٹھہرائے وہ ابلیس کا چیلا ہے۔ جس نے خدائے سبحانہ تعالیٰ پر اعتراض کیا اور جھگڑے کی ٹھانی۔ چنانچہ اس کا واقعہ جا بجا منقول ہے۔ یہ تقسیم قولی و اعتقادی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس! احوال و افعال میں بھی لوگ چار قسم کے ہیں۔

عوام وصوفیا کے احوال وافعال کی چار قسمیں

قسم اول

سب سے بہتر اور درست حالت اس مومن کی ہے جو خدا کے ماموارت کو بجا لاتا ہے۔محظورات کوترک کرتا ہے،اور مقدر سے کوئی مصیبت پیش آجائے تو صبر کرتا ہے۔لہٰذا اس وقت وہ امر الٰہی اور دین وشریعت کا پابند ہوتا ہے اور اس پر خدا سے امداد کا خواستگار ہوتا ہے۔جیسا کہ کلام پاک میں ہے۔

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے امداد چاہتے ہیں۔ [۱۔٤]

اگرکوئی گناہ سرزد ہوجائے تو توبہ استغفار کرتا ہے۔اپنی بداعمالیوں پر تقدیر کو حجت نہیں ٹھہراتا۔اور نہ ہی رب کائنات پر مخلوق کا (حق و) حجت سمجھتا ہے۔بلکہ تقدیر پر ایمان لاتا ہے اور احتجاج بالقدر کا انکار کردیتا ہے جیسا کہ سید الاستغفار والی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ انسان یوں کہے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَاعَبْدُکَ وَاَنَاعَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا استطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْ ءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَاَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ﴾

خدایا! تو میرا رب ہے،تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا خالق اور میں تیرا بندہ ہوں،اپنے مقدور بھر میں تیرے عہد و پیمان اور وعدے پر قائم ہوں،اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری ہی پناہ میں آتا ہوں۔میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی مجھے اعتراف ہے: خدایا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔ [بخاری و مسلم]

یہی وجہ ہے کہ جب وہ کوئی نیکی کر لیتا ہے تو (خدا پر احسان نہیں دھرتا بلکہ) اسے محض خدا تعالیٰ کا فضل وانعام تصور کرتا ہے اور اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ صرف خدا نے ہی اسے اس

کی راہنمائی فرمائی اور اسی نے اسے سہل فرمایا۔ اگر وہ برائی و گناہ کر پاتا ہے تو اس کا اقرار کرتے ہوئے توبہ کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ کا قول ہے۔

﴿اَطَعْتُکَ بِفَضْلِکَ وَالْمِنَّةُ لَکَ وَعَصَیْتُکَ بِعِلْمِکَ وَالْحُجَّةُ لَکَ فَاَسْئَلُکَ بِوُجُوْبِ حُجَّتِکَ عَلَیَّ وَانْقِطَاعِ حُجَّتِیْ اِلَّا مَا غَفَرْتَ لِیْ﴾

خدایا! میں تیرے فضل سے تیری اطاعت بجا لایا ہوں مگر یہ محض تیرا ہی احسان ہے اور تیرے علم سے تیری نافرمانی کر بیٹھا ہوں لیکن حجت تیرے ہی لیے ہے لہٰذا میں اپنے پر تیری حجت کے وجوب اور اپنی حجت کے انقطاع کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ الا آنکہ آپ خود بخش دیں۔

حدیث صحیح قدسی میں ہے:

﴿یَا عِبَادِیْ اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا لَکُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَیْرَ ذٰلِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ﴾ [صحیح مسلم]

میرے بندو! یہ ہیں تمہارے اعمال جو میں نے تمہارے لیے جمع کر رکھے ہیں اور وقت آنے پر سب کے سب تمہیں ادا کر دوں گا لہٰذا جس سے نیکی ہو جائے وہ خدا کا حمد و شکر کرے اور جس سے گناہ سرزد ہو جائے وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔

یہ مسئلہ کسی دوسری جگہ نہایت تحقیق وبسط کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

قسم دوم وسوم

بعض لوگ فقط امر کا اقرار کرتے ہیں، اس لیے حسب توفیق اطاعت کی کوشش کرتے ہیں، مگر وہ مشاہدہ قدر سے عاری ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ خدا سے امداد کے خواہاں ہوتے ہیں اور نہ ہی صبر وتوکل اختیار کرتے ہیں۔

بعض لوگ فقط تقدیر کا اقرار کرتے ہیں، اس لیے وہ اللہ عزوجل سے امداد کے خواستگار ہوتے ہیں، صبر کرتے ہیں اور اسی پر تکیہ واعتماد بھی رکھتے ہیں، جس سے دوسرا گروہ خالی ہوتا

ہے، مگر خدا اور رسول ﷺ کے فرمودہ اوامر واشارات اور اتباع شریعت کا التزام نہیں کرتے۔اور کتاب وسنت کے لائے ہوئے دین کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، اس لیے وہ خدا تعالیٰ سے اعانت کے خواہاں تو ہوتے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کرتے ، اور دوسرا گروہ خدا کی عبادت کرتا ہے لیکن اس سے امداد کا طالب نہیں ہوتا مگر ان دونوں کے برعکس مومن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کی عبادت بھی کرتا ہے اور اس سے امداد بھی طلب کرتا ہے۔

قسم چہارم

چوتھی قسم جو سب سے بدترین قسم ہے، یہ ہے کہ انسان نہ اس کی عبادت کرے۔ اور نہ اس سے امداد طلب کرے۔ لہٰذا نہ وہ شریعت امری کا پابند ہوتا ہے۔ اور نہ ہی قدرِ کونی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تقسیم ان چیزوں کے لحاظ سے تھی ، جن کی ضرورت وقوعِ تقدیر سے پہلے ہوتی ہے، مثلاً توکل واستعانت وغیرہ جو تقدیر واقع ہونے سے پہلے کی جاتی ہیں۔

تقسیم بلحاظ تقویٰ وصبر وغیرہ

رہی ان چیزوں کی تقسیم جو وقوع تقدیر کے بعد اختیار کی جاتی ہے مثلاً صبر ورضا بالقدر وغیرہ تو اس لحاظ سے لوگ تقویٰ و پرہیز گاری میں، جسے امر دینی کی پیروی، اور انسان کی مقدر شدہ قدر کونی پر صبر کرنے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

قسم اول، اہل تقویٰ واہل صبر

پہلی قسم وہ لوگ جو پکے متقی وصابر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا وآخرت میں سعادت مند اور سرخ رُو ہوں گے اور جن پر خدا تعالیٰ کے بے شمار فضل وانعام ہیں۔

قسم دوم، متقی بے صبر

دوسری قسم وہ لوگ جن میں کچھ نہ کچھ تقویٰ تو موجود ہوتا ہے۔ مگر ان میں رائی برابر بھی صبر نہیں ہوتا۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کوئی شخص فرض وواجبات مثلاً نماز وغیرہ بجالاتا ہے۔

محرمات سے بھی کنارہ کشی کرتا ہے، مگر جب اُسے کوئی مرضِ جسمانی وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے، یا مال ومتاع اور عزت برباد ہونے لگتی ہے، یا کسی خوفناک دشمن کے پنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو نہایت قلق واضطراب کے ساتھ گھبرا اٹھتا ہے، جزع فزع کرنے لگتا ہے اور اس کا حرص وطمع سب کا سب آشکارا ہو جاتا ہے۔ اور (قلعی کھل جاتی ہے)

قسم سوم...... صابر غیر متقی

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جن میں صبر کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے مگر تقویٰ سے بالکل خالی ہوتے ہیں مثلاً وہ فاسق وبدکار اور چور ڈاکو، جو چوری وڈاکہ، رہزنی اور اخذِ حرام کی پاداش میں قسم قسم کے مصائب وآلام برداشت کر گزرتے ہیں اور طرح طرح کی تکالیف پر بالکل صابر رہتے ہیں۔

یا وہ میر منشی و دفتری لوگ جو غبن وخیانت وغیرہ میں پکڑے جانے پر صبر کرتے ہیں۔

اسی طرح غیروں پر سرداری اور غلبہ وتفوق کے خواہشمند، جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ تو اتنا صبر کرتے ہیں جو اکثر وعوام اَیرے غیرے کا کام نہیں علیٰ ہذا القیاس، عاشق ومحبّ اور صورِ محرمہ کے پرستار، جو اپنی حرام وناجائز خواہشات کے عوض طرح طرح کی تکلیفوں پر پورے پورے صابر اترتے ہیں۔ مذکورہ بالا لوگ، یا تو مخلوقات پر سرداری وتفوق کے طالب یا غلبہ واستیلا وفساد فی الارض کے خواہش مند، اور بغی وعدوان اور ظلم سے مال جمع کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں، یا صور محرمہ کی طرف دیکھ کر، جماع کر کے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں، طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے ہیں، مگر ان میں تقویٰ کا نشان بھی نہیں۔ اس لیے وہ ماموررات کے تارک، اور محظورات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس! آدمی کبھی مرض وتنگدستی کا شکار ہو جاتا ہے تو صبر کرتا ہے حالانکہ جب توانا وتندرست اور غنی ہو جاتا ہے اس وقت بھی تقویٰ سے بالکل کورا ہوتا ہے۔

قسم چہارم...... غیر متقی وبے صبر

چوتھی قسم، جو تمام اقسام سے بدترین قسم ہے، یہ ہے کہ جب انہیں قدرت وطاقت

حاصل ہو جائے تو تقویٰ سے گریز کرتے ہیں، اگر مصائب میں مبتلا ہو جائیں تو صبر سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں بلکہ ان پر مندرجہ ذیل فرمانِ الٰہی بالکل صادق آتا ہے کہ

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاO اِذَامَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا Oوَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ [۷۰: ۱۹ تا ۲۱]

”بلاشبہ انسان حریص و بے صبر پیدا ہوا ہے جب کوئی تکلیف آئے تو گھبرا اٹھتا ہے اور اگر کچھ رفاہیت و فائدہ میسر ہو، تو بخل کرتا ہے۔“

غلبہ واستیلاء کی صورت میں لوگوں پر بڑھ چڑھ کر جبر و تشدّد کرتے اور حد سے زیادہ مظالم ڈھاتے ہیں مگر جب خود قابو آ جائیں تو تمام کمزوروں سے بھی زیادہ عاجز و حقیر معلوم ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ بے قرار و مضطرب دکھائی دیتے ہیں۔ ایک دفعہ آزما کر دیکھئے کہ جب آپ کو غلبہ و فوقیت حاصل ہو جائے تو بے کس و لاچار ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوں گے کبھی منافقانہ چال چلیں گے، تو مجبوراً کسی وقت آپ کو کچھ دے بھی دیا کریں گے۔ کبھی آپ سے ظاہراً محبت کریں گے اور کبھی آپ سے رحم کی درخواست کریں گے۔ غرضیکہ طرح طرح کے جھوٹ و بہانے تراش کر منت و سماجت و تعظیم و تکریم کر کر کے آپ سے پیچھا چھڑانے اور نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر خدانخواستہ جب انہیں غلبہ واستیلا حاصل ہو جائے تو آپ دیکھیں گے! کہ یہ کس قدر ظالم و سنگدل اور بے رحم و بے مروت ہیں۔ جو زبان پر عفو و درگذر کا نام لانا بھی ناگوار سمجھتے ہیں۔

چنانچہ اہل اسلام نے ہر شخص میں جو حقائق ایمانیہ سے زیادہ بعید ہو، تجربہ و مشاہدہ کر لیا ہے مثلاً قومِ تاتار، جن سے اہل اسلام کی بارہا لڑائیاں ہو چکی ہیں، یا کوئی دیگر جو اکثر امور میں ان سے مشابہت رکھتا ہو، خواہ وہ اپنے آپ کو لشکرِ اسلامی کی وردی میں ظاہر کرے یا علماءِ اسلام و زہادِ اسلام کے بھیس میں، اور خواہ وہ خود کو مسلمان تاجر کہلائے یا مسلم کاریگر۔

لہٰذا اعتبار حقائق کا ہوتا ہے (ظاہر کا نہیں) چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ﴾ [مسلم]

”خدا تمہارے حسن و جمال و مال و دولت کو نہیں دیکھتا وہ تو حسنِ اعمال اور تقوی القلوب کو دیکھتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ جس کا دل اور عمل، تاتاریوں کے دل و عمل کی جنس کا ہوگا۔ وہ اس

حیثیت سے ان کا مشابہ ہوگا اور اس میں صرف اسی قدر اسلام ہوگا۔ جتنا تاتاریوں میں پایا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر ان سے اسلام اتنا ہی ظاہر ہوگا۔ جتنا تاتاریوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ تاتاریوں کے مقابل آپ کو غیر تاتاریوں میں، جو جہاد بھی کرتے ہیں، اور کسی نہ کسی موقعہ پر اپنے اسلام کا اظہار بھی کیے دیتے ہیں، بہت بڑے مرتد جاہلانہ عادات کے زیادہ قریب، اور اخلاق اسلامیہ سے زیادہ بعید لوگ بھی مل جائیں گے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ میں یوں ارشاد فرماتے:

﴿خَيْرُ الْكَلَامُ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ﴾ سب سے بہتر کلام، کلام اللہ ہے۔ سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

جب واضح ہوگیا کہ کلام اللہ تمام کلاموں سے بہتر، اور ہدایتِ محمدی ﷺ تمام ہدایت سے بہتر ہے تو جو اس کے زیادہ قریب و زیادہ مشابہ ہوگا، اتنا ہی کمال کے زیادہ قریب اور اس کا زیادہ حقدار ہوگا اور جتنا اس سے دور اور کم مشابہ ہوگا، اسی قدر کمال سے دور اور باطل کا مستحق ہوگا۔

اور کامل وہ ہے جو خدا کا بے حد فرمانبردار، اور مصائب پر از حد صابر ہو، لہٰذا جو شخص خدا اور رسول ﷺ کے فرمودہ احکام کا زیادہ متبع، خدا کے محبوب و پسندیدہ امور میں خدا کے زیادہ موافق اور اس کی قضاوقدر پر زیادہ صابر ہو اسی قدر وہ اکمل و افضل ہوگا اور جس تناسب سے یہ دونوں کم ہوں گی، اسی قدر اس میں نقص واقع ہوگا۔

تقویٰ ونصرت صلوٰۃ واعمالِ صالحہ اور رحمت کے ساتھ صبر کی مقرونیت کی چار قسمیں اور فوائدِ صبر

قسم اول: صبر اور تقویٰ ونصرت:

خداتعالیٰ نے اکثر جگہ صبر وتقویٰ کو یک جا بیان فرمایا ہے۔ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ انسان کے دشمنوں پر، خواہ وہ محارب ومعاہد کفار ہوں، یا منافق یا ظالم مسلمان اس کی نصرت وامداد فرماتا ہے اور اسی شخص کا انجام بہتر ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [۳۔۱۲٤]

ہاں! اگر تم صبر وتقویٰ سے کام لو تو خواہ یہ کفار اس قدر جوش وخروش سے بھی لڑنے آئیں خدا تعالیٰ تمہاری پانچ ہزار نشاندار فرشتوں سے امداد فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (۳۔۱۸٦)

آئندہ تمہاری مال و جان میں آزمائش ہو گی اور اہل کتاب سے بھی بے شمار دل آزار باتیں سننی پڑیں گی۔ نیز مشرکوں سے بھی بہت سی مصیبتیں برداشت کرنا ہوں گی لیکن اگر صبر و تقویٰ سے کام لو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

ایماندارو! اپنے سوا کسی غیر (کفار ومنافقین کو) در پردہ دوست ومشیر مت بناؤ (ابھی تک تم نے دیکھا نہیں کہ) لگے ہاتھوں تمہاری تباہی و بربادی میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں

قَدْ بَيَّنَا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ هٰاَنْتُمْ اُولَاءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَايُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾

کرتے ہر وقت تمہاری ایذا کی تمنا رکھتے ہیں ان کی زبانی دشمنی تو ظاہر ہو چکی ہے مگر جو کچھ ان کے سینوں میں پنہاں ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے (اب) اگر تم عقلمند ہو تو غور کر لو ہم نے تمہارے سامنے تمام علامات واضح کر دی ہیں! ہاں تم ہی ایسے لوگ ہو کہ پوری کتاب پر ایمان رکھ کر بھی ان سے محبت رکھتے ہو حالانکہ انہیں تم سے کچھ محبت نہیں، جب تم سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر جب علیحدہ ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں اے پیغمبر ﷺ! کہ دو غصے ہو ہو کر مرتے رہو خدا تعالیٰ تو اندرونی رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اگر تمہارا بھلا ہو تو انہیں رنج ہوتا ہے مگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو جامے میں پھولے نہیں سماتے۔ لیکن اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہو تو ان کی ابلہ فریبیاں تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گی۔ یقیناً خدا تعالیٰ کو ان کے اعمال پر احاطہ ہے۔" [۳۔۱۱۷تا۱۱۹]

یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کہا:

﴿ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [۱۲۔۹۰]

"کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا حقیقی بھائی ہے خدا نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ واقعی جو شخص تقویٰ و صبر اختیار کرے تو عزوجل ایسے نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قسم دوم، صبر و اعمالِ صالحہ

کہیں صبر کو اعمالِ صالحہ عام و خاص سے مقرون فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ﴾ [۱۰.۱۹] آپ وحی کی پیروی کیجئے اوران کی ایذارسانی پر فیصلہ خدائی تک صبر فرمایئے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اورآنحضرت ﷺ کی جانب وحی شدہ چیزوں میں ایک تقویٰ بھی ہے جوسراسر اخبارِ الٰہیہ کی تصدیق اوراوامرِ الٰہیہ کی اطاعت ہے۔

قسم سوم،صبروصلوٰۃ

ارشادِ باری ہے۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَ فِي النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [۱۱.۱۱۴] دن کی دونوں طرفوں اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو بلاشبہ نیکیاں بدیوں کودورکردیتی ہیں، یہ خدا کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے اورصبر کرو یقیناً خدا تعالیٰ نیکوکاروں کا اجرضائع نہیں کرتا۔

نیز ارشاد ہے۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ [۴۰.۵۵] لہٰذا آپ صبر کیجئے یقیناً خدا کے وعدے حق ہیں اورگناہوں سے استغفار کیجئے اورصبح وشام خدا تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اورحمد کیجئے۔

دوسری جگہ ارشادفرمایا

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ﴾ ان کی باتوں پرصبر کیجئے اورطلوعِ آفتاب سے پہلے اوررات کی چندگھڑیوں میں اپنے رب کی تسبیح اورتعریف کیجئے۔

[۲۰:۱۳]

ایک جگہ فرمایا

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ [۲۔ ٤٥] صبر وصلوٰۃ سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو، اور نماز بڑا بوجھ ہے مگر ان کے لیے نہیں جن میں خضوع ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [۲:۱۵۳] صبر وصلوٰۃ سے استعانت حاصل کرو۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان تمام مقامات میں صبر کو مقرون بالصلوٰۃ فرمایا ہے۔

قسم چہارم، صبر و رحمت

بعض جگہ صبر کو رحمت سے مقرون فرمایا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ [۹۰.۱۷] ایک دوسرے کو صبر، برداشت کرنے اور باہم مرحمت کی وصیت کرتے ہیں۔

زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ خلقِ خدا سے احسان وسلوک کرنا بھی رحمت میں داخل ہے، تقسیمِ ہذا بھی رباعی ہے۔ کیونکہ۔

قسم اول...... صابر و بے رحم

بعض لوگ صابر تو ہوتے ہیں مگر رحمدل نہیں جیسے زورآور سنگدل لوگ۔

قسم دوم...... رحم دل بے صبر

اور بعض رحمدل ہوتے ہیں۔ مگر صابر نہیں جیسے کمزور، نرم طبیعت، چنانچہ یہ صفت اکثر عورتوں، نیز عورتوں جیسے مردوں میں آپ کو ملے گی۔

قسم سوم، بے صبر و بے رحم

اور بعض لوگ نہ صابر ہوتے ہیں نہ رحمدل جیسے سنگدل حریص۔

قسم چہارم: صابر و رحم دل:

مگر قابل ستائش وہی شخص ہے جو صابر بھی ہو اور رحمدل بھی۔ جیسا کہ فقہاء نے متولی کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مناسب ہے کہ متولی طاقتور ہو، مگر زیادہ سنگدل بھی نہ ہو، نرم طبیعت ہو مگر یہ ترقی کمزوری (بزدلی) کی وجہ سے نہ ہو، لہٰذا صبر کے باعث قوی اور نرمی کی وجہ سے رحمدل ہوگا اور صبر کرنے سے انسان کو نصرت و امداد حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ نصرت و امداد صبر پر موقوف ہے، اور رحم کرنے سے خدا بھی رحم کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنے مندرجہ ذیل ارشادات میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ.﴾	خدا تعالیٰ اپنے رحمدل بندوں پر ہی رحم کرتا ہے۔
﴿مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ	جو کسی پر رحم نہیں کرتا تو اس پر رحم نہیں کیا جاتا بد
لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مَنْ شَقِيٍّ﴾	بد بخت ہی رحمت سے محروم رہتا ہے۔

[احمد و ترمذی]

﴿اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ.﴾	رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن و رحیم رحم فرماتا ہے۔
﴿اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ	کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
مَنْ فِي السَّمَآءِ﴾	خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر۔

[سنن ابی داؤد والترمذی]

چھٹا رسالہ

فقر و تصوّف

اِستفتاء

کیا فرماتے ہیں فقہائے عظام ایسے شخص کے حق میں جس کا دعویٰ ہو کہ ① فقر کے ساتھ تعبد کیا گیا ہے۔ نہ اس کا حکم دیا گیا ہے، نہ اس کا جسم ہے نہ معنیٰ اور نہ ہی یہ کوئی ایسا مسلک ہے جس سے انسان رضا مندیِ خدا و رسول ﷺ تک پہنچ سکے۔ ہم جو عبادت کرتے ہیں تو محض اس لیے کہ امرِ الٰہی کی اتباع اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی منہیات سے اجتناب ہو جائے۔

② اور ہر شے کی اصل یہ ہے کہ اس کا علم حاصل کیا جائے پھر علم کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ تقویٰ اختیار کر کے محرمات سے اجتناب کیا جائے۔

③ یہ جو عوام و اکابر صوفیہ کی زبانوں پر فقر فقر چڑھا ہوا ہے، یہ زہد فی الدنیا ہے اور زہد فی الدنیا علمِ شرعی سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا زہد فی الدنیا بالعلم کا نام ہے اور یہی فقر ہے۔ نتیجۃً معلوم ہو گیا کہ فقر بھی فروعات علم میں سے ایک فرع ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اور علم و عمل بالعلم کے سوا وہاں کوئی ایسا راستہ بھی موجود نہیں۔ جو زیادہ مُوْصِلْ اِلَی الْفَقْر ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے صحیح ثابت ہوتا ہے۔

④ نیز اس کا قول ہے جو فقر اکثر اہل الزہاد کے نزدیک معروف و مشہور اور عصرِ موجودہ میں رائج ہے اور خاص قسم کی شکل و صورت، مخصوص الفاظ، اور معتاد اصطلاحات کا مجموعہ ہے، رضا خدا اور رسول علیہ السلام کے سراسر خلاف ہے۔

کیا واقعی یہی معاملہ ہے جو اس نے کہا یا اس کے برعکس ہے؟ ﴿اَفْتُوْنَا مَاجُوْرِیْنَ

اَلْجَوَابُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾

اتباعِ کتاب وسنت

اس مسئلہ کا اصل الاصول یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جو الفاظ مثلاً ایمان، نیکی و تقویٰ صدق و عدل و احسان، صبر و شکر، توکل اور خوف و رجاء وغیرہ جو قلب و بدن سے محبتِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر مشتمل ہوں وارد ہوئے ہیں، ان کے مدلولات کی اتباع کرنا ہم پر واجب ہے۔

وصول اِلَی اللہ کی شاہراہ

یہ وہ امور ہیں جن کی بجا آوری خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منہیات کو مثلاً کفر و نفاق، جھوٹ، معصیت، ظلم و عدوان، جزع و فزع، حرص، شرک، بخل، بزدلی، قساوتِ قلب، غدر، قطع رحمی وغیرہ کا ترک کرنا بھی لازم ہے۔ لہٰذا

صراطِ مستقیم اور مسلمان کا فرض

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پورے غور و فکر کے ساتھ اوامرِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بجا لائے اور جن سے منع فرمایا ہے انہیں بالکل ترک کر دے۔ یہی طریق اللہ ہے، یہی سبیل اللہ ہے یہی دینِ الٰہی ہے، اور یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو خدا کے انعام یافتہ لوگوں مثلاً انبیاء و صدیقین اور شہدا و صالحین کا راستہ ہے۔

علمِ شرعی و عملِ شرعی کی ضرورت

''یہ صراطِ مستقیم علم و عمل یعنی علمِ شرعی و عملِ شرعی پر مشتمل ہے، لہٰذا جو شخص علم تو حاصل کرلے مگر اس پر عامل نہ ہو وہ فاجر و بدکار ہے۔ علیٰ ہذا القیاس! جو علم حاصل کیے بغیر عمل کرنے لگ جائے۔ یقیناً وہ گمراہ ہے۔ (یعنی عالم بے عمل اور عامل جاہل دونوں گمراہ و بدکار ہیں) حالانکہ اللہ سبحانہ سے ہمیں یوں کہنے کا ارشاد ہوا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ [۱۔۶۔۷]

خدایا! ہمیں صراط مستقیم کی راہنمائی فرما، ان بزرگوں کا راستہ جن کو تو نے اپنے انعامات سے نوازا، ان لوگوں کا نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا، نہ ان کا جو راہ راست سے بھٹک گئے۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَلْيَهُوْدُ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالنَّصٰرٰى الضَّالُّوْنَ﴾

مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔

یہود و نصاریٰ کیوں مغضوب و ضالین ہیں؟

یہود اس لیے مغضوب علیہم ہیں کہ حق کو پہچان کر اس پر عمل نہ کیا اور نصاریٰ اس وجہ سے ضالین ہیں کہ بے علم جاہل رہ کر خدا کی عبادت کی۔

بدعمل عالم اور جاہل صوفی

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے فرمایا کہ عالم بے عمل اور عابد جاہل کے فتنہ سے بچو کہ ان کا فتنہ ہر مفتون کے لیے فتنہ کا موجب ہے۔

علما بگڑ کر یہود اور زاہد بگڑ کر عیسائیت پرست

نیز سلف صالحین کا مقولہ ہے کہ علما سے کوئی خراب ہو جائے تو اس میں تشبہ بالیہود پایا جاتا ہے اگر عابدوں سے کوئی بگڑ جائے تو اس میں تشبّہ بالنصاریٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا۔

علم و عبادت میں اہلِ بدعت کی روش

جو شخص عمل مامور بہ کو چھوڑ کر محض علم تحصیل کی دعوت دے وہ گمراہ ہے۔

ان دونوں سے بڑھ کر وہ شخص زیادہ گمراہ ہے، جو علم میں اہل بدعت کی روش اختیار کر کے ایسے امور کا متبع ہو جو کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہیں یہ (بے چارہ) انہیں علوم خیال کرتا ہے حالانکہ یہ سب کے سب جہالات ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس! جو شخص عبادت میں اہل بدعت کا طریقہ اختیار کر کے ایسے افعال کا مرتکب ہو، جو اعمالِ مشروعہ کے سراسر مخالف ہیں وہ بھی گمراہ، یہ شخص انہیں عبادات سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام کی تمام ضلالات ہیں۔

علمِ شرعی کی ضرورت واہمیت

یہ دونوں صورتیں شرع شریف سے منحرف نام نہاد فقہا وفقرا میں اکثر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس لیے بعض تحصیل علم کی تو دعوت دیتے ہیں مگر دعوتِ عمل کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے اور بعض عمل کی ترغیب دیتے ہیں مگر تحصیل علم کے لیے دعوت دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کی اس دعوت میں بے شمار مخالفِ شریعت بدعات موجود ہوتی ہیں اور طریقِ اللہ کی تکمیل علم وعمل دونوں سے ہی ہوسکتی ہے بشرطیکہ دونوں بالکل موافق شریعت ہوں۔

گمراہ صوفی اور گمراہ فقیہ

طریقہ فقر وتصوف وزہد وعبادت کا سالک اگر موافق شرع علم کا مسلک اختیار کرے تو بہتر ورنہ صراطِ مستقیم سے گمراہ ہے اور اس کا مفسدہ اس کی اصلاحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

علیٰ ہذا القیاس! سالک فقہ وعلم ونظر وکلام، اگر متبعِ شریعت اور عامل بالعلم نہ ہوتو وہ فاسق وفاجر اور صراطِ مستقیم سے بعید ہوگا۔

یہ ہے وہ اصول جس پر اعتماد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جاہلانہ تعصب

رہا تعصب تو ہدایتِ الٰہیہ کے بغیر کسی امر میں تعصب کرنا فعلِ جاہلیت ہے اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ہدایتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر ہوائے نفس کا پیرو بن جائے۔

فقر وغنا کی صحیح تعریف

اس میں کچھ شک نہیں کہ کتاب وسنت میں نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین،

اپنے کلام میں لفظ فقر سے نفسِ طریقِ اللہ، فعلِ ماموارت، وترکِ محظورات، اخلاقِ محمودہ وغیرہ مراد نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک فقر وہ تھا جو غنا کی ضد (الٹ) ہے۔ فقراء وہ ہیں۔ جنہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے مندرجہ ذیل ارشادات میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ ''مالِ زکوٰۃ فقرا و مساکین کے لیے ہے''

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [۲۔۲۷۳] ''مالِ خیرات ان فقروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں مشغول ہونے کے باعث کسبِ معاش سے معذور ہو گئے ہیں''۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ . (مالِ فئے) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھربار سے نکال دیئے گئے۔ [۱۹۵]

اور غنی وہ ہے، جسے زکوٰۃ لینا حرام ہو، یا جس پر زکوٰۃ واجب ہو علیٰ ہذا القیاس، لیکن چونکہ زہد اختیاری و بے اختیاری میں فقر کا شائبہ بھی تھا کیونکہ بے اختیار و غیر قادر ہونا بھی عصمت کی ایک قسم ہے اور متاخرین نے بھی بسا اوقات معنیٔ زہد کو فقر سے مقرون فرمایا ہے اور زہد بعض اوقات غنا اور بعض اوقات فقر کے ساتھ بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھئے اکثر انبیاء و سابقین اولین غنی ہونے کے باوجود زاہد بھی تھے۔

زُہدِ مشروع و غیر مشروع

زُہد مشروع یہ ہے کہ جو چیز قیامت میں بے سود و غیر نافع ہو اسے ترک کر دیا جائے۔ ہر اس چیز کا ترک کر دینا جو اطاعت الٰہی پر انسان کی معاون و مددگار ہو سکتی ہو، زہد مشروع نہیں بلکہ طاعتِ خدا اور رسول علیہ السلام سے توجہ ہٹانے والی یعنی فضولیات کا ترک کرنا ہی جائز و مشروع ہے۔

صوفی کی وجہ تسمیہ

علیٰ ہذا القیاس! دوسری صدی کے آغاز میں لوگ (فقراء کو) لفظ ''صوفی'' سے تعبیر کرنے لگ گئے کیونکہ زہاد عموماً صوف پہنتے تھے۔ بعض نے ان کی نسبت ''صُفّہ'' یا صفاء'' یا صف اول'' یا صوفہ بن مر بن اد بن طانجہ'' یا صوفۃ القفا'' کی طرف کی ہے۔

ساتواں رسالہ

اَلْوَصِيَّةُ الصُّغْرىٰ

سوال

امام ابو العاصم قاسم رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف بن محمد سبتی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد فقیہ وامام، عالم و فاضل، بقیۃ السلف، قدوۃ الخلف، علم ومعرفت کے عجیب وغریب رموز واسرار کونہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنے والے اور بلادِ مشرق ومغرب کے میرے تمام ملاقاتیوں سے سب سے بڑے علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (خدا تعالیٰ ہم پر ہمیشہ اُن کی برکات جاری وساری رکھے) سے درخواست کی از راہِ کرم۔

① مجھے ایسے امر کی وصیت فرمائیں جس سے میرے دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں۔

② علمِ حدیث کے متعلق مجھے ایسی کتاب کی طرف راہنمائی فرمائیں جس پر پورا پورا اعتماد ہو۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر علومِ شرعیہ کے متعلق بھی اسی طرح رہنمائی فرمائیں۔

③ اور ایسے عمل کا پتہ دیں، جو ادائے فرائض وواجبات کے بعد تمام اعمالِ صالحہ پر فوقیت رکھتا ہو۔

④ جو کسب وکاروبار میرے لیے تمام ذرائعِ معاش پر ترجیح رکھتا ہو، بیان فرمائیں مختصراً بطور اشارات جواب کافی ہے۔ طوالت کی ضرورت نہیں۔ عزوجل آپ کو ہر بلا سے محفوظ ومصوٗن رکھے۔ ﴿وَالسلام الکریم عَلَیْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ﴾

جواب

تو شیخ الاسلام (رحمۃ اللہ علیہ) نے یوں جواب دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o سب سے پہلی چیز یعنی وصیت کا جواب یہ ہے کہ وصیت کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کے لیے میری دانست میں خدا اور رسول علیہ السلام کی وصیت سے زیادہ فائدہ مند اور نافع تر کوئی وصیت نہیں ہو سکتی۔

وصیتِ الٰہی

وصیت خداوندی تو اس آیت شریفہ میں مذکور ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ہم نے گذشتہ اہل کتاب کو نیز تمہیں بھی یہی کہا تھا کہ خدا کی ناراضگی سے ڈرتے رہنا۔

[٤-١٣١]

وصیتِ رسول

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کرتے وقت ارشاد فرمائی تھی۔ کہ:

﴿يَا مُعَاذُ! اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ﴾ معاذ! جہاں بھی ہو، خدا سے ڈرتے رہنا اور برائی صادر ہو تو فوراً نیکی کرنا کہ برائی کو مٹا دے اور لوگوں سے حسنِ خلق سے پیش آنا۔

فضائلِ معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل

اور معاذ رضی اللہ عنہ کوئی معمولی ہستی نہ تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاذؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے ان کے ساتھ اپنی محبت کا ان الفاظِ مبارکہ میں اظہار فرمایا:

﴿يَا مُعَاذُ! وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ﴾ معاذ! خدا کی قسم مجھے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آنحضرت سوار ہوتے تو حضرت معاذ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا

کرتے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ مسائلِ حلال وحرام میں حضرت معاذؓ تمام امتِ محمدیہ سے بڑھ کر عالم ہیں اور قیامت کے دن تمام علماء سے ایک قدم آگے ہوں گے۔انہی فضائل کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے آپ کو اہل یمن کی طرف اپنا خاص مبلغ وداعی، فقیہ ومفتی اور حاکم بنا کر بھیجا اور بسا اوقات آنحضرت ﷺ آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے۔ جنہیں خدائے عزوجل نے اپنے کلام پاک میں خلیل اللہ اور امام الناس کے القاب سے ملقب فرمایا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دینے کی غرض سے ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا﴾ کی بجائے قدرے تصرف سے یوں فرماتے:

﴿اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بلاشبہ معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کے پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں جو محض خدا کے ہو چکے ہیں اور جماعت مشرکین سے نہیں ہیں۔

وصیتِ جامع

پھر اس قدر فضائل کے باوجود آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ خاص وصیت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک جامع وصیت ہے اور فی الواقع کسی عقلمند کو اس کی جامعیت سے انکار نہیں ہوسکتا۔مزید برآنکہ یہ وصیتِ قرآنیہ کی تفسیر بھی ہے۔اس سے زیادہ اور کیا خوبی ہوسکتی ہے۔

وجوہاتِ جامعیت

باقی رہی اس کی جامعیت تو اس کے دلائل کو یوں سمجھ لیجئے کہ انسان کے ذمہ دو حق ہیں ❶ حقوق اللہ ❷ حقوق العباد۔پھر ان حقوق میں وقتاً فوقتاً کسی خلل اور نقصان کا واقع ہو جانا لابدی چیز ہے، جو کبھی کسی امر کے ترک، اور کبھی کسی امرِ ممنوعہ کے ارتکاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک جامع کلمہ ارشاد فرمایا کہ اِتَّقِ

اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ ۔ ہر جگہ تقویٰ الٰہی کو ملحوظ رکھنا۔

لفظ حَیْثُمَا کُنْتَ کے استعمال میں اس کا امر کا بین ثبوت ہے کہ انسان پوشیدہ ظاہر ہر حالت میں تقویٰ کا محتاج ہے۔

پھر فرمایا اِتَّبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا (یعنی برائی صادر ہونے پر اس کو مٹانے کے لیے فوراً نیکی کرنا) اس کی یہ وجہ ہے کہ جب مریض کوئی مضر چیز کھا لیتا ہے، تو طبیب اسے اس کے مصلح کے استعمال کا حکم دیتا ہے چونکہ انسان سے گناہ صادر ہونا بھی حتمی چیز ہے اس لیے دانشمند انسان ہر وقت نیکیوں کی کوشش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام برائیوں کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

حدیثِ مذکورہ میں لفظ سَیِّئَہ مفعول ہونے کے باوجود اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہاں نیکی کرنا مقصود نہیں بلکہ نیکی کے ذریعے برائی کا مٹانا مقصود ہے۔ لہٰذا یہ قول بعینہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی طرح ہے کہ:

﴿صُبُّوْا عَلٰی بَوْلِہٖ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ﴾ اس شخص کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول انڈیل دو۔

(یہاں پانی گرانا مقصود نہیں، بلکہ ازالہِ نجاست مقصود ہے)

مغفرتِ ذُنُوب کے لیے کون سے اعمال کی ضرورت ہے

اور برائیوں کو مٹانے کے لیے اسی جنس کی نیکیوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہم جنسیت کے باعث وہ زیادہ موثر و کارگر ثابت ہوتی ہے۔

اور گناہوں کا نتیجہ وانجام یعنی عذابِ الٰہی مندرجہ ذیل چیزوں سے زائل ہو جاتا ہے۔

❶ توبہ

یعنی گذشتہ گناہوں سے نادم و پشیمان ہو کر بیزاری کا اظہار کرنا اور آئندہ کے لیے عملاً گناہوں کے ترک کا ثبوت پیش کرنا۔

❷ استغفارِ محض

استغفار بلا توبہ۔ یعنی زبان و دل کے ساتھ خدا سے معافی کا طالب ہونا۔ خواہ شرائطِ توبہ مفقود ہوں کیونکہ بعض دفعہ خدا تعالیٰ انسان کی دعا قبول فرما کر درگذر کر دیتے ہیں۔ اگر عملاً اس نے توبہ کا پختہ ثبوت بہم نہ پہنچایا ہو۔ ہاں جس شخص میں توبہ و استغفار دونوں صفات جمع ہو جائیں۔ مثلاً معافی کا طالب بھی ہو اور گناہوں سے بھی عملاً باز آ جائے تو یہ درجہِ کمال ہے۔

اعمالِ صالحہ یا کفّارات

اعمالِ صالحہ جن سے تمام گناہ محو ہو جاتے ہیں۔ انہیں کا دوسرا نام کفّارات بھی ہے۔ اور یہ (کفارات) دو قسم ہیں۔

کفّاراتِ مقدرہ

یعنی وہ اعمال جن کی مقدار شرع شریف نے معین فرما دی ہے۔ مثلاً

(ا) صیامِ رمضان کی حالت میں جماع کرنے والے کا کفارہ

(ب) کفارہ ظہار۔ یعنی اپنی منکوحہ بیوی کو اپنی ماں بہن وغیرہ محرمہ عورت سے تشبیہ دینے والے کا کفارہ۔

(ج) کفارات حج، مثلاً حج کے بعض ممنوعات کا مرتکب، یا حج کے بعض واجبات کے تارک، یا احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر جو کفارات لازم آتے ہیں ان تمام کی مقدار معین ہے۔ اور یہ چار قسم ہیں۔

❶ اونٹ وغیرہ قربانی کرنا۔

❷ غلام آزاد کرنا۔

❸ صدقہ دینا۔

❹ روزے رکھنا۔

❷ کفّاراتِ مطلقہ

یعنی وہ اعمال صالحہ جن کی شرع شریف نے کوئی تحدید مقرر نہیں فرمائی جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

﴿فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ اَهْلِهٖ وَمَا لِهٖ وَدَوْلَتِهٖ يُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ انسان جب اپنے اہل عیال، مال واولاد کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو نماز، روزہ اور صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

اور اس بات پر آیاتِ قرآنیہ اور وہ احادیثِ صحیحہ پوری دلالت کرتی ہے جن میں ذکر آیا ہے، کہ پانچوں نمازیں، جمعہ، روزے، حج اور دیگر وہ اعمال جن کے متعلق کہا جاتا کہ:

﴿مَنْ قَالَ كَذَا وَ عَمِلَ كَذَا غُفِرَلَهٗ اَوْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ﴾ جو شخص یہ کلمہ کہے، یا عمل کرے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں اور اس قسم کے اعمال سنن وفضائلِ اعمال کی کتابوں میں متلاشی کو بہت کثرت سے ملیں گے۔

رسوماتِ جاہلیت اور خصائلِ یہود ونصاریٰ

انسان کو مذکورہ اعمالِ مکفرہ کی جانب پوری پوری توجہ مبذول کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ آدمی جب زمانہ بلوغت کے مجنونانہ دور میں سے گذر رہا ہوتا ہے تو قسم قسم کے ناشائستہ حرکات کے ارتکاب کے باعث، ان کے کفّاراتِ یعنی توبہ واستغفار اور اعمالِ صالحہ وغیرہ کی از حد ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصاً موجودہ دور، اور اسی قسم کے دوسرے زمانہ ہائے فترت میں جبکہ وحی ورسالت کا سلسلہ منقطع ہونے کے باعث چند وجوہات سے ایامِ جاہلیت کا پورا پورا تشبہ موجود ہوتا ہے، جبکہ اہلِ علم ومتدین بزرگوں کے ماحول میں تربیت پانے والا شخص بھی امورِ جاہلیت کی نجاستوں سے آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تو اس

بے چارے کی کیا حالت ہوگی جسے دیندار لوگوں کی صحبت تک میسر نہیں۔

استشہاد بالحدیث

صحیحین میں بروایت ابی سعید رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ لَتَتَبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُم حَذْوَ الْقَذَّةِ بِالْقَذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍ لَدَخَلْتُمُوْهُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ قَالَ فَمَنْ؟ ﴾

گذشتہ قوموں کے طریقوں کی اس طرح پیروی و برابری کرو گے جیسے نیزے کا ایک پر دوسرے پر کے برابر کاٹ کر بنالیا جاتا ہے حتی کہ اگر وہ گوہ (سوسمار) کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو کر رہو گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا گذشتہ قوموں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا یہ نہیں تو اور کون؟

تصدیقِ قرآنی

اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

﴿فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْاْ ﴾

تم نے بھی اپنے حصہ سے ایسے ہی فائدہ اٹھایا جیسا کہ گذشتہ لوگوں نے اور تم بھی اسی طرح بحث و جدال میں لگ گئے جیسا کہ تم سے پہلوں نے بحث کی۔

اور اس کے مزید شواہد حسن و صحیح احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔

دینداروں میں یہودیت و نصرانیت

اور بعض دفعہ تو یہ جاہلانہ رسومات ان دینداروں میں بھی سرایت کر جاتی ہیں، جنہیں خواص میں شمار کیا جاتا ہے چنانچہ ابنِ عیینہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بزرگانِ سلف کا قول ہے کہ ''اہلِ علم یہود کی بہت سی باتوں میں اور اہلِ دین نصاریٰ کی اکثر باتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں چنانچہ جو شخص دین اسلام جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، کی حقیقت

کو بخوبی سمجھتا ہے، اور اسے عوام کی حالت پر منطبق کرنا چاہتا ہو، اسے صاف صاف معلوم ہو جائے گا کہ اہل اسلام بہت سے علمی اور دینی امور میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

بچاؤ کی تدبیر

جب یہ اس قدر نازک معاملہ ہے تو ایک ایسے شخص کے لیے جو خدائے قدوس کی جانب سے انشراحِ صدر حاصل ہونے پر اس کی عطا کردہ بصیرت پر قائم و دائم اور جاہلیت کی موت مر کر علم کی زندگی حاصل کر کے ہدایتِ الٰہیہ کی نورانی مشعل لے کر اہل دنیا میں چلتا پھرتا ہو، اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کی جاہلانہ رسوم و عادات کا ملاحظہ کرے نیز دونوں گذشتہ امتوں مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کی افراط و تفریط کی جانچ پڑتال کرے، پڑتال کرنے پر وہ خود کو بھی یہودیت و نصرانیت کی بعض عادات میں مبتلا پائے گا۔

دو مفید چیزیں

اس کے علاج کے لیے دو ایسی چیزیں ہیں جو خاص و عوام کے لیے تمام چیزوں سے بڑھ کر از حد نافع ہیں۔

مہلِکات کا علم

یعنی ان امور کی واقفیت حاصل کرنا، جس کے ذریعے نفوسِ انسانی ان مہلک چیزوں سے نجات حاصل کر سکیں، اور وہ یہ ہے، کہ گناہ صادر ہوتے ہی فوراً نیک عمل کر لیا جائے۔ نیک عمل سے مراد وہ اعمال، اخلاق اور اوصاف ہیں، جن کا حکم خدائے عز و جل نے حضرت خاتم الانبیا ﷺ کی زبانِ صدق ترجمان سے دیا ہے۔

اختیارِ مصائب و کفّارات:

نتیجہ معصیت یعنی عذابِ الٰہی کو دور کرنے والی چیزوں میں سے ایک وہ مصائب تکالیف بھی ہیں، جو انسان کی برائیوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔ مفہومِ مصائب میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں۔ جن سے انسان کسی قسم کی تکلیف محسوس کرتا ہو۔ مثلاً فکر، رنج و غم، نقصانِ مال، بے آبروئی اور جسمانی تکالیف وغیرہ لیکن یہ باتیں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں (کہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ خود کو رنج والم میں مبتلا کر دے۔ بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ کفّاراتِ شرعیہ میں سے کوئی چیز اختیار کرلے۔

رسولِ خدا ﷺ جب یہ دو کلمے ﴿اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ﴾ ارشاد فرما کر حقوق اللہ کو بدیں صورت واضح فرما چکے، کہ پہلے جملہ میں عمل صالحہ اور دوسرے میں اصلاحِ فاسد کی تلقین فرمائی تو آگے تیسری بات وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ارشاد فرما کر حقوق العباد کی طرف توجہ دلائی۔

حسنِ خلق کا خلاصہ

خلقِ خدا سے حسنِ خلق رکھنے کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص تجھ سے تعلقات استوار کرنے کی بجائے قطع تعلق کرے تو اس سے میل ملاپ رکھے، اسے السلام علیکم کہے۔ اس کی عزت افزائی کرے، اسے دعا دے، خدائے غفور الرحیم سے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرے، اس کے محاسن و خوبیاں بیان کرے، اس سے ملاقات کرتا رہے اور جو شخص تجھے مال و دولت، تعلیم و تعلم، غرضیکہ کسی قسم کے فائدہ سے محروم کردے، تو تو اسے ان فوائد سے محروم نہ کرے بلکہ پہلے کی طرح فائدہ پہنچاتا رہے اور جو شخص مال و جان اور عزت و آبرو کے متعلق تجھ سے ظلم و تعدی سے پیش آئے، اسے کمال بلند حوصلگی کے ساتھ معاف کردے اور درگزر کرے۔

ان میں سے بعض احکام واجب، اور بعض مستحب ہیں۔

خُلُق عظیم کی تفسیر

رہی خلق عظیم کی تفسیر جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کو متصف فرمایا ہے۔ تو اس سے مراد دین کامل ہے، جو مطلقاً تمام اوامر الٰہیہ پر مشتمل ہے۔ مجاہد وغیرہ مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے اور یہی قرآن کریم کا مدعا و مقصود ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کان خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ ۔ ''آنحضرت کا خلق قرآن کریم تھا''۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبوب و پسندیدہ چیزوں کو بطیّب خاطر پورے انشراحِ صدر کے ساتھ ادا کرنے میں جلدی کرے اور سعی و کوشش سے بجالائے۔

تقویٰ کی دو تفسیریں

❶ اوامر و نواہی

باقی رہا یہ بیان کہ یہ تمام چیزیں وصیت اللہ یعنی ﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ میں داخل ہیں۔ اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ لفظ تقویٰ تمام اوامرِ الٰہیہ کو خواہ وہ امر واجب ہو، یا مستحب، اور تمام نواہی کو خواہ وہ نہی تحریمی ہو یا تنزیہی، سب کو جامع ہے اور یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر مشتمل ہے۔ لیکن:

❷ خشیتِ الٰہی

چونکہ تقویٰ سے بعض دفعہ عذابِ الٰہی سے ڈرنا مراد لیا جاتا ہے جو حرام کاموں سے رکنے کا باعث ہوتا ہے، اس لیے حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ میں اس کی پوری تفسیر کر دی گئی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! سنن ترمذی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے جس کا مفہوم پہلی سے وسیع تر ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

﴿قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ تَقْوٰى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَقِيلَ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ قَالَ الْاَجْوَفَانِ اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ﴾

دریافت کیا گیا۔ یارسول ﷺ! کون سی چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں پہنچائے گی؟ فرمایا! تقویٰ الٰہی وحسنِ خلق، پھر عرض کیا، کون سی چیز سب سے بڑھ کر لوگوں کو جہنم رسید کرے گی؟ فرمایا دو کھوکھلی چیزیں (۱) منہ جس سے حرام کھا کر کلماتِ کفر وشرک کہہ کر جھوٹ چغلی وغیرہ کر کے آدمی دوزخی ہو سکتا ہے (۲) فرج جو زنا وغیرہ کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے:

﴿قَالَ رَسُولَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا﴾

رسول خدا ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ کامل الایمان وہی شخص ہو سکتا ہے جو سب سے زیادہ بااخلاق ہو۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے کمالِ ایمان کی علامت واضح فرما دی کہ کمالِ ایمان، حسن خلق کے کمال پر موقوف ہے۔ یعنی جو حسنِ اخلاق میں کامل ہوگا اس کا ایمان بھی کامل ہوگا اور یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ ایمان تمام تر تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے اصول وفروع پر یہاں بحث کی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں تو پورا دین داخل ہے۔

اخلاص:

ہاں تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور جڑ، محض اخلاص فی العبادت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت واستعانت کو پورے اخلاص کے ساتھ خدا سے اس طرح مخصوص کر دے، کہ اپنا قلبی تعلق تمام خلائق وعلائق سے بالکلیہ منقطع کر دے، نہ ان سے نفع کی توقع رکھے اور نہ ہی ان کی خاطر کسی قسم کا عمل وفعل کرے بلکہ محض رب العزت کو اپنا مقصودِ کلی ٹھہرا کر دنیا سے الگ تھلگ ہو جائے۔ اسی اخلاص کو باری تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں

بیان فرمایا ہے:

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ [۱-۴] ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے امداد طلب کرتے ہیں۔

﴿فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ﴾ [۱۱-۱۲۳] اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر مکمل توکل واعتماد رکھئے۔

﴿عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ﴾ [۱۱-۸۸] مجھے اسی کا توکل ہے اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

﴿فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡہُ وَاشۡکُرُوۡا لَہٗ﴾ [۲۹-۱۷] خدا ہی سے رزق طلب کیجئے۔ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی کا شکر بجالایئے۔

ذریعہ حصولِ اخلاص

اور حصولِ اخلاص کا ذریعہ یہ ہے کہ اپنی ہر مطلوب شے میں خواہ وہ فقر و فاقہ ہو، یا کسی چیز کا ڈر، یا ان کے سوا کسی قسم کی کوئی حاجت ہو، محض خدائے قدوس کی بارگاہ میں دعا کرے، اور ہر محبوب و پسندیدہ عمل صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے کرے۔ اس طرح کے اخلاص کو مضبوط و محکم کرنے والے شخص میں ایسی بات کا ہونا ناممکن ہے جو اسے عذابِ الٰہی میں مبتلا کرے۔

افضل الاعمال بعد الفرائض ذکرِ الٰہی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ادا فرائض کے بعد کون سا عمل افضل الاعمال ہے تو اس کا جامع وکلی اور بالتفصیل ہر ایک شق کا جواب دینا تو ناممکن ہے جس سے ہر شخص کے حق میں افضل الاعمال کی تعیین کی جا سکے کیونکہ قدرت وطاقت اور مناسبت اوقات کے لحاظ سے لوگوں کے اوقات بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لیے افضل الاعمال بھی ان کے حق میں مختلف ہوں گے۔ تاہم مجملاً جو جواب دیا جا سکتا ہے، اور جس پر خدا تعالیٰ اور اس کے احکام کا علم رکھنے والے لوگوں کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ ہر حالت میں ذکرِ الٰہی پر ملازمت و مداومت کی جائے۔ یہ ایسا افضل ترین عمل ہے جس کے ساتھ انسان اپنے نفس کو مشغول رکھ سکتا ہے۔

تائید بالحدیث

اس کی تائید میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم میں حدیث ہے کہ:

﴿سَبقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنِ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَ الذَّاکِرَاتِ﴾

مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! مفردون کون لوگ ہیں! فرمایا خدا کو زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تائید مزید

ابوداؤد میں بروایت ابودرداء رضی اللہ عنہ مرفوعاً آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاهَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجٰتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَمِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ذِکْرُ اللّٰهِ﴾

میں تمہیں ایسا عمل نہ بتلاؤں جو تمام عملوں سے بہتر، خدا کے ہاں زیادہ پاکیزہ، سب سے زیادہ بلندی درجات کا ذریعہ، اور سونے چاندی جیسی قیمتی چیزوں کے صدقہ کرنے سے بھی بہتر ہو (نیز جہاد) یعنی دشمنانِ اسلام سے مڈبھیڑ ہونے پر قتلِ کفار اور تمہارے شہید ہونے سے بھی بہتر ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں! فرمایا وہ ذکر اللہ ہے۔

ذکرِ الٰہی کی فضیلت میں قرآنی و ایمانی دلائل بکثرت موجود ہیں، جو بصیرتِ قلبی روایت اور استنباط و استدلال سے تعلق رکھتے ہیں۔

اذکارِ مسنونہ اور ان کی تین قسمیں

ذکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے، کہ انسان ان اذکارِ ماثورہ کو بالالتزام اپنا معمول بنائے، جو معلم خیر، امام المتقین، پیغمبرِ خدا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، اور یہ تین قسم ہیں۔

❶ اَذْ کَارِ رواتب

یعنی جن کے اوقات مقرر ہیں۔ مثلاً پہلے اور پچھلے پہر سوتے وقت، نیند سے بیدار ہونے پر، اور نمازوں کے بعد،

❷ اذ کارِ مقیدہ

یعنی وہ اذکار جو خاص خاص امور، مثلاً کھانے، پینے، پہننے، جماع کرنے، گھر، مسجد اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے، بارش اور بادل کی گرج وغیرہ کے وقت پڑھے جاتے ہیں، مذکورہ بالا ہر دو اقسام کے متعلق عمل الیوم واللیلہ (یعنی دن رات کے اذکار کے نام سے کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ (ان میں ملاحظہ فرمائیے)

❸ اذ کارِ مطلقہ:

یعنی وہ اذکار جو مطلق بلا قید و تعیینِ وقت، ہر وقت پڑھے جا سکتے ہیں۔ ان تمام سے ﴿اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ہے، البتہ بعض حالات ایسے بھی پیش آ جاتے ہیں کہ دیگر اذکار مثلاً ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ سے افضل ہیں۔

ہر نیک عمل ذکرِ الٰہی میں داخل ہے۔

بعد ازیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ بات جو قربِ الٰہی کا ذریعہ بن سکتی ہے خواہ زبان کا قول ہو یا دل کا تصور، مثلاً تعلیم و تعلم، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، سب ذکرِ الٰہی میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص اداءِ فرائض کے بعد کسی علمِ نافع (یعنی دین یا دین سے تعلق رکھنے والے علم) کی طلب میں مشغول ہو، یا کسی مجلس و مدرسہ میں بیٹھ کر وہ فقہ پڑھے یا پڑھائے جسے خدا اور رسول علیہ السلام نے فقہ کہا ہے، تو یہ بھی ذکرِ الٰہی میں داخل ہے اور اگر افضل الاعمال کی تعیین میں اس قسم کی وسعت کی جائے، تو فکر و تدبر کے بعد آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس کے متعلق وارد شدہ اقوالِ متقدمین میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں۔

افضل الاعمال کی تعیین کے متعلق استخارہِ مسنونہ

اس کی تعیین میں اگر کسی شخص کو اشتباہ واقع ہو جائے تو اسے استخارہِ شرعیہ کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنے والا شخص کبھی نادم نہیں ہوسکتا اور بکثرت دعاو استخارہ سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ وہ ہر خیر و برکت کی کلید ہے۔ نیز جلد بازی کر کے یوں نہ کہنا چاہیے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہ ہوئی۔ اور دعا مانگنے کے لیے اوقاتِ فاضلہ یعنی افضل اوقات کو اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً رات کا آخری حصہ، اذان اور نمازوں کے بعد نزولِ بارش اور اسی قسم کے دوسرے اوقات۔

بہترین کسب توکل علی اللہ ہے

باقی رہا ارجح المکاسب یعنی کون سا عمل سب سے اعلیٰ ہے تو اس کا جواب یہ ہے، کہ ذاتِ خداوندی پر بھروسہ، تمام حاجات میں اس پر مکمل اعتماد اور ہر حالت میں اس پر حسنِ ظن رکھنا سب سے بہترین کسب ہے۔

طلبِ رزق کا پہلا اصول:

اور اس کی صورت یہ ہے کہ رزق کے متعلق جسے فکر دامن گیر ہو، اسے لازم ہے، کہ خدا تعالیٰ سے التجا کرے اور محض اسی سے اس کی دعا و درخواست کرے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں سے یوں خطاب فرماتا ہے:

﴿یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمُکُمْ یَاعِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُهٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ﴾ میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو۔ ہاں جسے میں کھلا دوں لہٰذا تم مجھی سے کھانا طلب کرو میں تمہیں کھانا دوں گا، تم سب ننگے ہو ہاں جسے میں کپڑا پہنا دوں لہٰذا تم مجھ ہی سے کپڑا مانگو میں تمہیں دوں گا (یعنی ہر چیز جو مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا)

جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿یَسْأَلُ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ فَاِنَّہٗ اِنْ لَمْ یُیَسِّرْہُ لَمْ یَتَیَسَّرْ﴾ ہر آدمی اپنی تمام حاجات، حتی کہ جوتے کا تسمہ تک خدا سے مانگے، کیونکہ خدا تعالیٰ میسر نہ فرمائے تو جوتے کا تسمہ تک بھی میسر نہ آئے گا۔

اور قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ﴾ (۴:۳۲) خدا سے اس کا فضل یعنی رزق طلب کرو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ﴾ جب نماز ہو جائے تو زمین میں چل پھر کر خدا کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔

[۶۲۔۱۰]

یہ آیت اگرچہ جمعہ کے متعلق ہے۔ تاہم اس کا حکم ہر نماز کے ساتھ قائم ہے، غالباً اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان مسجد میں داخل ہوتے وقت:

﴿اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ﴾ خدایا! میرے لیے اپنے رحمت کے دروازے کھول دے:

اور مسجد سے نکلتے وقت:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ﴾ خدایا! میں تجھ سے تیرا فضل یعنی رزق چاہتا ہوں۔

پڑھا کرے (سنن ابی داؤد)

خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر جو ارشاد فرمایا، اس میں بھی اسی کی تلقین ہے، فرمایا:

﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ﴾ [۲۹۔۱۷] خدا سے رزق مانگو، اس کی عبادت کرو اور اسی کا شکر بجا لاؤ۔

اِبْتَغُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر مقتضیِ وجوب ہے۔

الغرض طلبِ رزق میں خدا سے استمداد کرنا اور اسی کے سامنے التجا کرنا بڑا بھاری اصول ہے۔

دوسرا اُصول

طلبِ رزق میں دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ، انسان مال کو بالکل بے پرواہی و بے دلی سے قبول کرے کہ اس میں برکت ہو۔ ہر وقت اس کی تاک میں نہ لگا رہے، نہ ہی طمع ولالچ سے حاصل کرے بلکہ دل میں اس کی وقعت محض اسی قدر ہونی چاہیے۔ جتنی بیت الخلا کی، کہ انسان خوشی سے نہیں بلکہ رفعِ حاجت کے لیے اس کی طرف جانے پر مجبور ہوتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! تحصیلِ مال میں بھی صرف اتنی کوشش ہونی چاہیے جتنی بیت الخلا کی اصلاح میں ہوتی ہے۔

جامع ترمذی وغیرہ میں مرفوعاً آیا ہے:

﴿مَنْ اَصْبَحَ وَالدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّهٖ شَتَّتَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَمْلَهٗ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهٗ وَلَمْ يَاْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ وَمَنْ اَصْبَحَ وَالْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ هَمِّهٖ جَمَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَمْلَهٗ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ﴾

جس کو صبح ہوتے ہی سب سے زیادہ دنیا سمیٹنے کی فکر ہو۔ خدا اس کے جمع شدہ کاموں کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس سے سب سامان واسباب کو بکھیر دیتا ہے اور دنیا بھی صرف اسی قدر حاصل ہوتی ہے جتنی مقسوم میں مقدر ہو اور جسے صبح ہوتے ہی سب سے بڑھ کر فکرِ آخرت ہو، خدا اس کے تمام پراگندہ کاموں کو جمع کر دیتا ہے اور اس کا دل ان کی طرف سے غنی و بے پرواہ کر دیتا ہے، پھر تو ایسا ہوتا ہے دنیا اور اس کے مال و دولت جھک مار کر اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول

بعض سلف صالحین کا قول ہے۔ اے انسان! تو دنیا کا محتاج تو ہے مگر اپنے حصہِ آخرت کا اس سے کہیں بڑھ کر محتاج ہے۔ لہٰذا اگر اپنے اخروی حصہ کی جانب توجہ مبذول کرنے کی ضرورت سمجھتا ہے تو دنیوی حصہ کو اسی طرح حاصل کر، جیسے گزرتے گزرتے

راستے میں کوئی چیز آ جائے، تو اس کا انتظام کرلیا جاتا ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥وَمَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ يُطْعِمُوْنِ ٥اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ [الذاریات، ۵۶ تا ۵۸]

میں نے جنوں، انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے (ورنہ) نہ تو میں ان سے روزی کا خواہاں ہوں۔ اور نہ مجھے یہ خواہش ہے کہ مجھے کھلائیں۔ خدا تو خود بڑا رزاق اور بہت طاقتوں کا مالک ہے۔

تعیینِ کسب اور دو مفید باتیں

باقی رہی کسی خاص کسب کی تعیین، خواہ وہ صنعت و حرفت ہو یا تجارت، فنِ تعمیر ہو یا زراعت، یہ بھی لوگوں کے مختلف حالات کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں (فی الحال) مجھے کوئی ایسا کسب یاد نہیں جو تمام لوگوں کے لیے عموماً یکساں مفید ہو سکے۔

(ا) ہاں اگر تلاشِ معاش میں کوئی خاص صورت پیش آ جائے تو اس کے متعلق بارگاہِ عزوجل سے استخارہ کرنا چاہیے، جو معلمِ خیر، پیغمبرِ خدا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا ہے کیونکہ اس میں ایسی برکت ہے، جس کا احاطہ ناممکن ہے۔

(ب) دوم یہ کہ جو کام میسر آ جائے وہی اختیار کرلے۔ خواہ مخواہ دوسرے کام میں پڑ کر مفت کی تکلیف نہ اٹھائے الا اینکہ اس میں کوئی کراہتِ شرعیہ ہو تو اور بات ہے۔

علمِ حدیث و دیگر علومِ شرعیہ

رہا علمِ حدیث و دیگرِ علومِ شرعیہ کے متعلق معتمد علیہ کتاب کا انتخاب، تو یہ باب بھی نہایت وسیع، اور مختلف شہروں کے باشندوں کے لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ کسی شہر میں ایک شخص کو کسی خاص، علم، طریقہ، اور مذہب کی کوئی ایسی کتاب میسر ہو جاتی ہے جو دوسرے شہر میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔

علمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی علم کہلانے کا حقدار ہے

ہاں تمام خیر و برکت کی جامع یہ چیز ہے، کہ انسان اس علم کی تحصیل کے لیے خدا تعالیٰ سے نصرت و امداد طلب کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور میراث چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ یہی علم علم کہلانے کا حقدار ہے۔

علم کی تین قسمیں:

علاوہ ازیں ہر علم۔

(ا) یا علم تو ہو گا مگر غیر نافع (ب) یا سرے سے علم نہیں ہو گا۔ خواہ اسے علم کے نام سے نامزد کیا جائے (ج) اگر فی الواقع وہ علم بھی ہے اور نافع بھی، تو یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم موروث میں اس سے بے نیاز کر دینے والی بلکہ اس سے بھی بدر جہا بہتر کوئی نہ کوئی چیز ضرور موجود ہو گی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم موروث کو چھوڑ کر اس کی جانب توجہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی، جب اس کی ضرورت ہی نہ رہی تو انسان کی تمام تر جدوجہد یہی ہونی چاہیے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کلام کے مقاصد سمجھے۔ جب اس جدوجہد کے بعد اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے تو پھر جس قدر ممکن ہو اس سے سر مو تجاوز و انحراف نہ کرے خواہ وہ حقوق اللہ یعنی بندۂ و خدا کے مابین ہوں، یا حقوق العباد یعنی دوسرے لوگوں کے ساتھ۔

رفعِ اشتباہ کے لیے دعا

اور علم کی ہر شاخ میں ایک ایسے اصل کو مضبوط پکڑنے کی کوشش کرے، جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہو، اور جب علماء کے مختلف فیہ مسئلہ میں ایسے شکوک و شبہات پڑ جائیں تو بارگاہِ الٰہی میں وہ دعا کرنی چاہیے، جو مسلم میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے:

﴿اِنَّ رَسُوْ لَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃَ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ○ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

رسولِ خدا ﷺ جب رات کو تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اے جبریل و میکائیل واسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب وحاضر کے واقف! تو ہی لوگوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کرے گا جس حق کے متعلق اختلاف کیا جارہا ہے۔ مجھے اپنے حکم سے اس کی رہنمائی کر کیونکہ تو اپنی حسبِ خواہش جسے چاہتا ہے، صراطِ مستقیم کی جانب راہنمائی فرماتا ہے۔

کیونکہ ایک حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ﴾ [صحیح مسلم]

میرے بندو! تم سب گمراہ ہو۔ ہاں جسے میں ہدایت کردوں ۔ لہٰذا مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تمہاری راہنمائی کروں گا۔

ہر علم کی کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے

رہا کتب و مصنفین کا بیان تو خدا نے جنہیں کم وبیش جس قدر میسر فرمایا۔ اثناء درس و مذاکرہ میں میرے (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) ہاں سن ہی چکے ہیں۔ اس وقت صرف اتنا کہے دیتا ہوں۔ کہ منقسم علی الابواب تصانیف میں صحیح امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نافع ترین کوئی کتاب نہیں لیکن علم کے تمام اصولوں کو سمجھنے میں تنہا وہ بھی کافی نہیں اور نہ مختلف علوم کے متبحر عالم کا مقصود پورا کرسکتی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ دیگر احادیث، خصوصاً علماء وفقہا کے ان مسائل کا علم نہایت ضروری ہے جن کے ساتھ بعض علماء، مختص وممتاز ہیں اور امتِ محمدیہ تو علم کے ہر فن میں پورا پورا حصہ لے چکی ہے جس کا دل خدا تعالیٰ نے نور سے بھر دیا ہے۔ اسے جو بات پہنچتی ہے، اسے اس کے ذریعے راہنمائی فرماتا ہے اور جس کا دل اندھا کردیا ہے اسے جس قدر زیادہ کتابیں میسر ہوتی ہیں۔ اسی قدر اس کی حیرت وضلالت میں اضافہ

ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لبید انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿اَوَلَيْسَتِ التَّوْرٰتُه وَالْاِنْجِيْلُ عِنْدَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرىٰ فَمَاذَاتُغْنِىْ عَنْهُمْ﴾ کیا یہود ونصاریٰ کے ہاں توراہ وانجیل نہیں ہے تو پھر انہیں کیا فائدہ پہنچایا (جب کہ خود انہیں ہدایت کی ضرورت نہیں۔)

خاتمہ ودعا

اللہ عزوجل سے التجا ہے، کہ ہمیں رشد وہدایت، اور صلاحِ علم وعمل عطا کرے۔ ہمارے دلوں میں وہ چیز القا فرمائے جس میں ہماری ہدایت ہو۔ ہمیں شرورِ نفسانیہ سے محفوظ ومصوٗن رکھے۔ اور ہدایت کے بعد دل کی کجروی سے بچا کر اپنی بارگاہ سے خاص رحمت نازل فرمائے کیونکہ وہی رحمت عطا فرما سکتا ہے۔ ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰالَمِيْنَ وَصَلَواتُه عَلٰى اَشْرَفِ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

آٹھواں رسالہ

درجات الیقین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال

شیخ الاسلام ابو العباس امام احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ خدائے عزوجل نے کلام اللہ میں جو یقین کے تین مدارج و مقام (حق الیقین، عین الیقین، علم الیقین) بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ہر مقام کے کیا معنی ہیں اور کون سا مقام ان سب میں اعلیٰ و افضل ہے۔

جواب

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین کے متعلق لوگوں کے چند مشہور اقوال ہیں۔

علم الیقین

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ علم الیقین علم کا وہ درجہ ہے جو کسی کو کسی بات کے سننے، کسی کے بتلانے، ایک چیز کو دوسری جگہ پر قیاس اور غور و فکر کرنے سے حاصل ہو۔

عین الیقین

وہ درجہ ہے جو کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کرنے سے حاصل ہو۔

حق الیقین

اس درجہ کا نام ہے جو کسی چیز کو مشاہدہ کے بعد چھونے، محسوس کرنے، چکھنے، اور اس کی حقیقت معلوم کرنے سے حاصل ہو۔

مثال اول

علم الیقین کی مثال یوں سمجھ لیجئے، کہ ایک شخص کو کسی نے اطلاع دی کہ فلاں جگہ شہد ہے تو اس نے صرف اس کی تصدیق کی، یا شہد کے آثار دیکھ کر (مثلاً مکھیوں کا چھتہ وغیرہ دیکھنے سے) نتیجہ اخذ کر لیا، کہ وہاں شہد ہوگا۔

مثال دوم

عین الیقین کی مثال یہ ہے کہ کسی نے شہد کو محض سنا ہی نہیں بلکہ اس کا مشاہدہ و معائنہ بھی کیا ہے۔ یہ مقام پہلے سے اعلیٰ ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَيْسَ الْمُخْبَرُ كَالْمُعَايِنِ﴾ سننے والا شخص معائنہ کرنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مثال سوم:

حق الیقین کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے شہد کو محض دیکھا ہی نہ ہو بلکہ اسے چکھا ہو اور اس کا مزہ و شیرینی بھی حاصل کر چکا ہو اور ہر شخص بخوبی جانتا ہے، کہ علم کا یہ درجہ پہلے درجہ یعنی علم الیقین سے اعلیٰ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عارف لوگوں کی زبان پر جب حق الیقین کا لفظ آتا ہے تو اس سے ذوق و وجدان کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جو انہیں بارگاہِ ایزدی سے حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔

چنانچہ صحیح حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ﴾

[بخاری و مسلم]

جس شخص میں تین چیزیں ہوں تو (یقین جانئے کہ) وہ حلاوتِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکا ہے (اول) وہ شخص جسے خدا و رسول علیہ السلام تمام کائنات سے زیادہ محبوب ہوں (دوم) جو کسی سے (دنیا کی خاطر نہیں بلکہ) لوجہ اللہ محبت رکھتا ہو (سوم) جو شخص کفر سے نجات پانے (اور قبولِ حق) کے بعد ارتدادِ کفر کو ایسا برا جانتا ہو جیسے آگ میں دھکیل دیے جانے کو۔

نیز آنحضرت محمد ﷺ کا فرمانِ جلالت نشان ہے۔

﴿ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا﴾ [مشکوٰۃ]

جو شخص خدا کی ربوبیت، دینِ اسلام کی حقانیت اور محمد ﷺ کی رسالت پر رضا مند ہو اس نے ایمان کا مزہ پالیا۔

حلاوتِ ایمانی کا وجد و ذوق اور مدارج ثلثہ

ایمانداروں کو حلاوتِ ایمانی کی جو شیرینی و مزہ حاصل ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے تین درجے ہیں۔

مثال

کسی شخص کو صرف اسی قدر معلوم ہو، کہ وجد و ذوق کوئی چیز ہے، مثلاً شیخ نے اسے بتایا کہ ذوق ایک درجہ ہے تو اس نے محض سن کر اسے سچ سمجھا۔ یا عارف لوگوں نے اپنے متعلق بعض باتوں کی اطلاع دی تو وہ سن کر ان تک پہنچ گیا۔ یا ان بزرگوں کے احوال کے آثار و علامات (مثلاً کرامات وغیرہ) دیکھیں جن سے ذوق پر دلالت ہوتی ہے۔

دوسرا درجہ

اس شخص کا ہے، جس نے (علم کے بعد) اس کا مشاہدہ و معائنہ بھی کرلیا ہو۔

مثالیں

مثلاً اہلِ معرفت اور اہلِ صدق ویقین کے احوال میں سے ایسے احوال کا مشاہدہ کیا ہو جن سے پتہ چلتا ہو کہ یہ بزرگ صاحبِ وجد و ذوق ہیں تو اس شخص نے اگرچہ فی الحقیقت وجد و ذوق کی حالت نہیں پائی، تاہم ایسی چیز تو دیکھ لی جو اس حالت پر دال ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ اس شخص سے اقرب الی الحقیقہ ہے۔ جس نے اسے دیکھا نہیں، محض اس کی خبر حاصل کی ہے اور کراماتِ اولیا کو دیکھ کر اس کے وجود کی دلیل پکڑی ہے

تیسرا درجہ

یہ ہے کہ کبھی دوسروں سے جس وجد و ذوق کا صرف نام ہی سنا تھا وہ اپنے اندر فی الواقعہ پالیا ہو۔

ایک بزرگ کا مقولہ

چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وجد و ذوق کی حالت طاری ہونے پر میری زبان سے یہ الفاظ جاری تھے۔ جنت میں اہلِ جنت کو اگر یہ حالت نصیب ہو جائے تو یقیناً وہ انتہائی عیش میں ہوں گے۔

مقولہ دیگر

ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے کہ بعض دفعہ دل پر ایسے حالات طاری ہوتے ہیں کہ فرح و سرور کے باعث وہ رقص کرنے لگ جاتا ہے۔

مقولہِ دیگر

علیٰ ہذا القیاس! ایک اور بزرگ کا قول ہے، کہ شب بیدار لوگوں کو بیداری میں وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو لہو ولعب میں مشغول رہنے والے تماشائیوں کو بھی اپنی لہو ولعب میں میسر نہیں ہوتی''۔

امورِ قیامت و درجاتِ ثلثہ

علیٰ ہذا القیاس (اخبارِ قیامت و) امورِ آخرت کے متعلق لوگوں کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ

یہ ہے کہ امورِ آخرت کا صرف علم ہو، جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اطلاع دینے یا امورِ آخرت کے وجود پر (عقلی) دلائل قائم ہونے سے حاصل ہوا ہو۔

دوسرا درجہ

علم کا دوسرا درجہ عالم اخروی میں ہوگا جب کہ یہاں کے شنیدہ وعدہ وعید، ثواب وعذاب، جنت اور دوزخ کا مشاہدہ اور معائنہ ہوگا۔

تیسرا درجہ

اس وقت حاصل ہوگا، جب کہ اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر عزوجل کے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہو کر انعاماتِ الٰہیہ کے آثار کو اپنے وجودِ اجسام میں محسوس کریں گے یا اہلِ جہنم جہنم رسید ہو کر عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں گے۔

غرضیکہ ہر چیز خواہ دل کے اندر ہو یا باہر، لوگوں کے تین درجے ہیں۔

امورِ دنیا کے دَرجاتِ ثلثہ

امورِ دنیا میں بھی لوگوں کے تین درجے ہیں۔

(ا) مثلاً ایک شخص کو بتایا جاتا ہے کہ عشق اسے کہتے ہیں۔ نکاح اس کا نام ہے، لیکن نہ اسے اس نے دیکھا، نہ اس کی لذت کو محسوس کیا تو اسے صرف اس کا علم ہوا (مشاہدہ نہیں)۔

(ب) اب اگر اس کا صرف مشاہدہ کرے لیکن لذت سے بہرہ مند نہ ہو تو اس نے محض اُس کا معائنہ کیا۔

(ج) لیکن بنفسہٖ اگر اس کا مزہ بھی چکھ لے تو اسے اس کا ذوق و تجربہ بھی حاصل ہو گیا۔

اور جس کو ایک چیز کا سرے سے ذوق ہی نہیں، وہ اس کی حقیقت سے کب آشنا ہو سکتا ہے؟ الفاظ و عبارت تو محض ایک ذریعہ ہیں جن سے کسی چیز کی صرف مثال دی جا سکتی ہے یا اس کے ذریعہ ایک (بعید) چیز کو ذہن کے قریب تر لایا جا سکتا ہے۔ رہی اس کی پوری شناخت، تو وہ محض عبارات و الفاظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو شخص پہلے سے اسے محسوس کر چکا ہو، یا اس کا ذوق و لطف اٹھا چکا ہو اور بخوبی اس کی شناخت اور تجربہ کر چکا ہو (تو یہ علیحدہ بات ہے)۔

ایسے لوگوں کو اہلِ معرفت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کو کسی کے اطلاع دینے یا غور و فکر کرنے سے جس چیز کا صرف علم ہوتا ہے۔ وہ ذاتی تجربہ و ذوق کی بنا پر اس کی حقیقت اور تہ تک پہنچ چکے ہوتے ہیں۔

حلاوتِ ایمانی

ہرقل شاہِ روم کے تاثرات

صحیح بخاری میں ہے کہ ہرقل شاہِ روم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان بن حرب سے مستفسرہ امور میں سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ کیا اسلام میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص متنفر و رنجیدہ خاطر ہو کر مرتد تو نہیں ہوتا، ابوسفیان نے جواب دیا "نہیں" اس پر

ہرقل نے کہا:

﴿وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ اِذَا خَالَطَتْ بَشَاشَتُهُ الْقَلْبَ لَا يَسْخَطُهُ اَحَدٌ﴾ واقعی حلاوتِ ایمانی کی تازگی جب دل میں سرایت کر جاتی ہے تو اسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرتا۔

لذتِ ایمان سے عدم نفرت

غرضیکہ ایمان جب دل میں رچ جائے اور اس کی ترو تازگی دل میں پوری طرح سرایت کر جائے تو اس سے نفرت تو درکنار، خود اس سے محبت کرتا ہے، اسے پسند کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان کی اس قدر حلاوت ولذت، خوشی وشادمانی ہوتی ہے کہ اس کے ذوق سے نابلد آدمی کے سامنے اس کی تعبیر ناممکن ہے۔

ذوقِ ایمانی کے مدارج میں لوگ ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں جس قدر ذوق ہوگا اسی قدر دل میں پیدا شدہ فرح وسرور کی شگفتگی اور صدق وصلاح اور اطاعت ہوگی اور جب یہ دل میں پختہ طور پر سما جائے تو دل اسے کبھی ناپسند نہیں کرتا۔

شہادتِ قرآنی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿(۱) قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ [۱۰:۵۸]

اے پیغمبر ﷺ! کہہ دیجیے کہ قرآن کریم خدا کا فضل ورحمت ہے اور لوگوں کو اس فضل ورحمتِ الٰہی یعنی قرآنِ حکیم کے حصول سے خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ دنیوی مال ومتاع سے کہیں اعلیٰ ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ [۱۳-۳۶]

اے پیغمبر ﷺ! جن مسلمانوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ تیری ذات بابرکات پر نازل شدہ سب احکام سے خوش ہوتے ہیں مگر چند ایسے فرقے بھی موجود ہیں جو بعض کا انکار کر دیتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿(۳) وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (۹:۱۲۵)

نزولِ سورۃ کے وقت منافقین ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ منافقوں کے ایمان میں اضافہ ہوا یا نہیں؟ ایمانداروں کے ایمان میں تو اس سے یقیناً اضافہ ہوا اور وہ زیادتیِ ایمان پر خوشیاں مناتے ہیں۔

استبشار اور اس کی وجہ

اس آیت میں عزوجل نے نزولِ قرآن کے وقت اہلِ ایمان کے مستبشر ہونے کی اطلاح دی ہے، استبشار سے مراد فرح وسرور ہے، اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت وہ اپنے دل میں ایمان کی لذت وحلاوت اور سرور و بشاشت محسوس کرتے ہیں اور لذت ہمیشہ محبت کے بعد پیدا ہوتی ہے، لہٰذا جو شخص کسی چیز سے محبت کرنے کے بعد جب اسے پالیتا ہے تو اسے اس کی لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔

ذوق بالفاظ دیگر ادراکِ محبوب یعنی محبوب کو پالینے کا نام ہی ہے۔

لذتِ ظاہری کی مثال

یوں سمجھ لیجئے کہ انسان کو پہلے خوراک کی استشہا و محبت ہوتی ہے۔ جب اسے تناول کرتا ہے تو اس وقت اسے اس کی لذت وحلاوت بھی ہوتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! نکاح وغیرہ کو سمجھ لیجئے۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

محبتِ کاملہ

کائناتِ عالم کی محبت ایک طرف! اور اہلِ ایمان کی اپنے رب سے محبت ایک جانب

ہو، تو کوئی محبت اتنی بڑی، اتنی کامل و مکمل نہ ملے گی جس قدر مومنوں کو اپنے رب العزت سے ہے۔

ہر محبت، محبتِ الٰہی کے تابع ہے

تمام کائنات میں خدا کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں، جو بذاتہٖ، بلاواسطہ، ہر حیثیت سے مستحقِ محبت ہو، عزوجل کے سوا جس کسی سے محبت کی جائے، اس کی محبت، محبتِ الٰہی کے تابع اور اسی کے ذریعہ ہوگی۔

کیونکہ رسول خدا ﷺ سے محبت کی جاتی ہے، تو اللہ کی خاطر، آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو محض لوجہ اللہ، آپ ﷺ کا اتباع کیا جاتا ہے، محض خدا کی خاطر۔

شہاداتِ کتاب وسنت

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [۳۰.۳]

اے پیغمبر ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر خدا کو دوست رکھنا ہے تو میری اتباع کرو کہ خدا بھی تم سے محبت رکھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

﴿اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهٖ مِنْ نِّعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِیْ لِحُبِّیْ.﴾

خدا سے محبت رکھو کیونکہ اس کی ہزار ہا نعمتیں کھاتے ہو اور مجھ سے محبت رکھو کہ میں محبوبِ خدا ہوں اور میرے اہلِ بیت سے بھی محبت رکھو کہ وہ میرے محبوب رشتہ دار ہیں۔

قرآن حکیم میں عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [۹۔۲۴]

اے پیغمبر ﷺ! کہہ دیجئے اگر تمہارے آباد واجداد اولاد، فرزند اور برادر، بیبیاں، قبیلے، وہ مال جو تمہاری (گاڑھے پسینہ کی) کمائی ہے۔ وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں خطرہ ہے۔ وہ مکان اور محلات، جو تمہیں محبوب و پسند ہیں۔ وہ خدا اور رسولِ خدا ﷺ اور جہادِ فی سبیل اللہ سے عزیز تر ہیں تو حکمِ الٰہی کے آنے تک تو ذرا صبر وانتظار کرو۔ عزوجل کا دستور ہے کہ وہ بدکار لوگوں کو کبھی ہدایت نہیں دیا کرتا۔

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ [بخاری و مسلم]

کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی اولاد، اپنے باپ بلکہ تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے محبوب نہ سمجھے۔

جامع ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے:

﴿مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ﴾

جو شخص خدا ہی کے لیے محبت کرے۔ خدا ہی کی خاطر بغض رکھے، خدا ہی کے لیے کچھ دے اور محض خدا کی خاطر روک لے۔ تو اس نے اپنا ایمان کامل و مکمل کرلیا۔

عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (۲۔۱۶۵)

بعض لوگ خدا کے سوا اوروں کو بھی خدا کا شریک بنا کران سے وہی محبت رکھتے ہیں جو انہیں خدا سے رکھنی چاہیے تھی، لیکن ایمانداروں کو تو سب سے بڑھ کر اپنے خدا سے محبت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو جس قدر دوسری چیزوں کی، بلکہ ہر محبّ کو اپنے محبوب کی محبت ہوسکتی ہے ان سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی محبت ہوسکتی ہے۔

اس موضوع پر ہم (ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) متعدد جگہ بالتفصیل بحث کر چکے ہیں جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حلاوتِ ایمانی کا منبع

یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمانداروں کو جو لذتِ ایمانی نصیب ہوتی ہے، وہ محبتِ خدا اور رسول علیہ السلام سے حاصل ہوتی ہے، وہ بھی مقدارِ محبت کے تناسب سے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حلاوت کو مشروط بالمحبت ٹھہرا کر فرمایا:

﴿ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءُ لاَ يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ﴾ [بخاری ومسلم]

جس شخص میں تین چیزیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ پا لیا (۱) خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو (۲) کسی سے محض لوجہ اللہ محبت رکھے (۳) قبول اسلام کے بعد ارتداد سے یوں نفرت رکھے جیسے آگ میں جلنے سے نفرت ہوتی ہے۔

ثمرۂ توحید واخلاص وتوکل ودعا اور درجاتِ ثلٰثہ

توحید، اخلاص، توکل اور صرف خدائے واحد کو پکارنے میں جو فوائد وثمرات حاصل ہوتے ہیں اس میں بھی لوگوں کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ

وہ شخص جو اہلِ حال سے سن کر یا آثار وعلامات سے استدلال کر کے اس چیز کا علم حاصل کرے۔

دوسرا درجہ

وہ شخص جو صاحبِ حال کے حاصل شدہ احوال کا مشاہدہ ومعائنہ کر چکا ہو۔

تیسرا درجہ

وہ شخص جو اخلاص، توکل علی اللہ، اللہ سے التجا کرنے، اللہ سے نصرت وامداد چاہنے اور اس کے سوا تمام علائق سے قطعِ تعلق کر کے محض اسی کا ہو رہنے کی حقیقت کو پا چکا ہو۔

ایسے شخص کو خود اپنی ذات پر تجربہ ہو جاتا ہے کہ جب بھی اس نے مخلوقات سے رشتہ جوڑا ان سے امید رکھی۔ حصولِ منفعت ودفعِ مضرت کے لیے ان سے کسی قسم کی امید رکھی، تو اس جانب سے ہمیشہ ذلیل وخوار ہوا، اور کوئی مقصد حاصل نہ ہوا، بلکہ کتنی دفعہ ان کی خدمت کی بعض دفعہ ان پر مال بھی خرچ کیا، کہ مشکل میں کام آئیں گے، مگر کوئی بھی اسے نفع نہ پہنچا سکا۔ خواہ وہ نفع پہنچانے سے خود عاجز وقاصر تھے۔ یا بے اعتنائی وبے پرواہی سے کام لیا۔

بہر صورت جب وہ صحیح صدقِ احتیاج کے ساتھ عزوجل کی جانب متوجہ ہوا۔ اور پورے خلوص کے ساتھ اس کے ہاں فریادی ہوا، تو اس نے اس کی دعا قبول فرما کر تمام دکھ درد دور کر دیئے اور اپنے وسیع خزانہ رحمت کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے۔

ایسا شخص توکل واخلاص الدین للہ کی حقیقت کا اس قدر مزہ پاتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتا۔

علیٰ ہذا القیاس! جس شخص کو اطاعتِ الٰہی ورضا مندیِ خدا کے اخلاص میں جو مزہ حاصل ہوتا ہے، وہ دوسروں کو نہیں ہوتا۔ اسے ایسے حالات محسوس ہوتے اور ایسے نتائج وفوائد حاصل ہوتے ہیں، جو بے اخلاص کو نہیں ہوتے بلکہ......

جھوٹی محبت اور اس کا انجام

جو شخص سرداری وتفوق کا طالب، خوبروؤں کا دلدادہ، جمعِ مال کا پرستار، اور دیگر ہر طرح کی ہواؤ حرص اور خواہشاتِ نفسانیہ میں گرفتار ہو، وہ ان باتوں میں پڑ کر قسم قسم کے غم و

فکر، طرح طرح کی پریشانیوں اور مصیبتوں، گوناگوں دل تنگی اور دکھوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جن کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں۔

بسا اوقات پریشانیوں سے تنگ آ کر (اس) جھوٹی محبت وخواہشات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کہ قدرے آرام میسر ہو جائے، مگر آرام وخوشی کہاں؟ ہمیشہ رنج وغم اور خطرہ وخوف میں مبتلا رہتا ہے، حصولِ مطلب سے پہلے غمگین واندوہگین اور حصول کے بعد اس کے زوال وانقطاع سے خائف۔ مگر

سچی محبت اور اس کے فوائد وثمرات

جو لوگ (اولیاء اللہ) اپنے خدا سے لو لگا لیتے ہیں، وہ ہر قسم کے خوف وغم سے محفوظ ومصؤن رہتے ہیں، ایسا شخص یا اس مذاق کے دیگر لوگ جب خالص خدا کی اطاعت وعبادت کی شیرینی، ذکر ومناجاتِ الٰہی اور فہمِ قرآن کی حلاوت کا مزہ پاتے ہیں اور خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ایسے نیکوکار بن جاتے ہیں، کہ ان کا ہر عمل وفعل، صالح اور محض لوجہ اللہ ہوتا ہے تو انہیں وہ لذت وفرح وسرور حاصل ہوتا ہے جو ایک متوکل ودعا کرنے والے شخص سے جو اپنی دعا وتوکل کے ذریعہ دنیاوی نفع کے حصول یا دفعِ نقصان سے بہرہ ور ہو چکا ہوتا ہے، بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا دنیا کا فائدہ ونقصان قلیل وناپائدار، ویسا ہی حصولِ فائدہ ودفعِ ضرر کی حلاوت بھی ناپائیدار اور جس کی خواہشات رضائے الٰہی میں جذب ہو جائیں تو جیسی وہ غیر فانی، ویسے ہی اس کا سرور بھی دوامی وغیر فانی۔

اور یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ دل کے لیے توحید اور عباداتِ الٰہی کے خلوص سے زیادہ نافع اور شرک سے زیادہ نقصان رساں کوئی چیز نہیں۔

لہٰذا جب اس نے اخلاص کی حقیقت کو جو فی الحقیقت اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی حقیقت ہے، حاصل کر لیا، تو گویا اس نے وہ چیز حاصل کر لی، جس کے حاصل کرنے سے وہ تمام لوگ قاصر رہے۔ جنہوں نے معمولی معمولی چیزیں حاصل کر لیں، مگر اس اعلیٰ مقام تک نہ پہنچ سکے۔ واللہ اعلم۔

مقالہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (بنام)

"اِرْشَادُ الْوَرٰی اِلٰی ذَمِّ الْھَوٰی"

یعنی

روضۃ الْمُحِبِّیْن باب بست ونہم کا ترجمہ

تالیف

الحافظ العلامہ ابنِ قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ

تخلیقِ خواہشات کی ضرورت اور فوائد

مرغوب وموافقِ طبع چیزوں کی طرف طبیعت کا میلان، خواہش وحرص (ہویٰ) کہلاتا ہے اور بقاءِ انسانی کے لیے یہ میلان حسبِ ضرورت انسان کو ودیعت کر دیا گیا ہے، کیونکہ اگر کھانے پینے اور نکاح کی اسے خواہش ورغبت ہی نہ ہو تو وہ سب سے ہاتھ دھو بیٹھے، لہٰذا خواہش اس کو مرغوب وفائدہ مند چیزوں پر برانگیختہ کرتی رہتی ہے، جیسا کہ غضب وغصہ اسے نقصان رساں چیزوں سے دفاع کا موجب بنتے ہیں۔

خواہشات کی مذمت ومدح

اس لیے نہ مطلقاً خواہش کی مذمت مناسب ہے نہ مطلقاً مدح وستائش، جیسا کہ نہ مطلقاً غضب وغصہ کی مذمت مناسب ہے، نہ مطلقاً تعریف وستائش، مذمّت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ دونوں حدِ اعتدال سے متجاوز ہو جائیں اور ان میں افراط پیدا ہو جائے۔ افراط یہ ہے کہ حصولِ نفع، اور دفعِ مضرت کے لیے جس قدر خواہش کی ضرورت ہو، اس سے زیادہ استعمال کیا جائے۔

چونکہ عموماً خواہش پسند، شہوت پرست اور غصہ پرور لوگ، حدود اللہ انتفتاع کو پھاند جاتے ہیں، اس لیے شہوت وخواہش اور غصہ کی مطلقاً مذمت کی گئی کیونکہ بسا اوقات اس کا ضرر ونقصان اس قدر عام ہو جاتا ہے کہ کوئی شہوت پرست وغصہ پرور انسان بھی اس کی لپیٹ سے باہر نہیں رہ سکتا تھا۔

شہوات اور اختلافِ مزاج

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس طرح مزاج مختلف ہوتے ہیں اور ایک مزاج معتدل جو ہر طرح سے معتدل ہو، بہت قلیل ونادر ہوتا ہے، بلکہ ایک نہ ایک خلط وکیفیت اس پر ضرور غالب رہتی ہے، اسی طرح لوگ بھی مختلف نوعیت اور مختلف الاقسام ہوتے ہیں اور ایسے خوش قسمت انسان کم ہی ہوتے ہیں، جو غصہ وخواہشِ نفس کے مقام پر پہنچ کر رک جائیں، یا عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کو اپنی اپنی حدود میں صحیح طور پر استعمال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

طبیب وناصح کی مثال

یہی وجہ ہے کہ جس طرح ایک طبیب کا یہ منشا ہوتا ہے کہ مزاج ہر طرح سے معتدل ہو جائے، اسی طرح ناصح وخیر خواہ کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ قوتِ شہوانیہ وقوتِ غصبیہ ہر طرح سے اعتدال پر آ جائیں، مگر یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے جو تمام دنیا سے صرف چند افراد میں پایا جا سکتا ہے۔

خواہشات اور کتاب وسنت:

اسی لیے کتاب اللہ میں کوئی مقام ایسا نہیں ملے گا جہاں خواہشات کی مذمت نہ ہو، اور سنتِ رسول وحدیثِ نبوی ﷺ میں کوئی جگہ ایسی نہ ملے گی جہاں اس کی برائی موجود نہ ہو، الا یہ کہ اتباع نبوی سے مشروط ومقید، اور اس کے ماتحت ہو، جیسا کہ ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

﴿ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبِعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ ﴾ جب تک کسی کی تمام خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں، وہ مومنِ کامل نہیں ہوسکتا۔

اہلِ دانش کا قول ہے کہ خواہش ایک خطرناک اور خفیہ دشمن ہے جس سے بے خوف ہونا نادانی ہے۔

ہویٰ کی وجہ تسمیہ

امام شعبی رحمہ اللہ ''ہویٰ'' کی وجہ تسمیہ میں فرماتے ہیں کہ ''ہویٰ'' کا معنی ہے، گرنا ، چونکہ خواہشات اہلِ خواہش کو لے گرتی ہیں، اس لیے اسے ہویٰ کہتے ہیں۔

خواہشات کے کرشمے

خواہشاتِ مطلقہ تو انسان کو ہر وقت ابھارتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے، کہ انسان عاقبت اور نتیجہ وانجام کار سوچے سمجھے بغیر لذاتِ حاضرہ سے سرور وحظ اٹھائے، اور جس قدر جلد ہو سکے دنیا کی تمام خواہشات سے فائدہ اٹھالے، اگر چہ اسے دنیا وآخرت، دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔

خواہشِ نفسانی اور جرأتِ ودین وعقل

خواہشِ نفسانی انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اس کی بصیرت زائل ہو جاتی ہے اور دنیا وآخرت کے انجام اور ان کی تکالیف کا ملاحظہ نہیں کر سکتا۔ اور دین وعقل اور جرأت تینوں نفس کا راستہ روک لیتے ہیں اور جب وہ کسی لذت کا جس کے بعد رنج والم ہو، یا شہوت کا جس کے بعد ندامت وپریشانی ہو، ارادہ کرتا ہے، تو اسے منع کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ ایسا مت کر مگر اطاعت وفرمانبرداری اسی کی ہوتی ہے جو سب پر غالب آجائے۔

خواہش پرستی پر ضد

دیکھ لیجئے ایک لڑکا وہی کرے گا جو اسے پسند لگے، خواہ وہ فعل کم عقلی کے باعث اسے ہلاک کیوں نہ کر دے۔ ایک بے دین وہی کرے گا۔ جسے وہ چاہتا ہو خواہ وہ فعل اس کے

ضعفِ دینی کے باعث اس کے لیے موجبِ ہلاکت ہی ہو۔

ایک بے مروت انسان اپنی حسبِ منشاء کرے گا خواہ اس کی مروت معدوم اور ختم ہی کیوں نہ ہو جائے تو کہاں یہ مروت اور کہاں وہ جس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مروّت

''اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ٹھنڈے پانی سے میری مروت خاک میں مل جائے گی، تو میں اسے ہرگز نہ پیوں۔

خواہشات اور حاکمِ عقل و حاکمِ دین

پھر چونکہ تمام بہائم کو نظر انداز کر کے جب ایک مکلفِ خواہشات یعنی انسان کو امتحان و آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور ہر وقت اور ہر ساعت، طرح طرح کے حوادث و مصائب بھی اس پر نازل ہو رہے تھے تو خود اس کے اندر دو حاکم تعینات کر دیئے گئے، ایک حاکمِ عقل، دوم حاکمِ دین، اور اسے حکم دیا گیا، کہ خواہش و ہوائے نفسانی کے تمام حوادث ہمیشہ مذکورہ بالا حکام کی عدالت میں پیش کرتا رہے، اور ان کے احکام بجا لائے نیز جن خواہشات کا انجام بہتر اور خطرہ سے خالی ہو، تو اس کے دفاع کی پریکٹس کرتے رہنا چاہیے تاکہ جن کا انجام مصائب و تکلیف سے بھرپور ہو، اس کے ترک و اجتناب کی مشق ہو جائے۔

مداومتِ شہوات کا نتیجہ

عقل مند انسان کو اس نکتہ سے ناواقف رہنا بھی نامناسب ہے کہ دائمی شہوت پرستوں پر آخر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے۔ جس میں کچھ لذت و مزہ نہیں رہتا، اور شہوت رانی ایک پھیکا اور روکھا سا مشغلہ بن کر رہ جاتا ہے، اس کے باوجود ترک نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ ان کے لیے عیش و زندگی کی جزو بن چکی ہے، جسے چھوڑنا محال ہے، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ہمیشہ کے شرابی کو اس لذت کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہ ہو گا، جو گاہے

بگاہے پینے والے کو حاصل ہوتا ہے مگر طبیعت چونکہ اس کی عادی ہو چکی ہوتی ہے اس لیے وہ ہاتھ دھو کر اپنے مطالبات کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور معتاد چیزوں کے حصول کے لیے جان دھڑ کی بازی تک لگانے سے بھی گریز نہیں کرتی لیکن اس کے دماغ سے اگر خواہشات کا زنگ دور ہو جائے اور شہوات کا حجاب اٹھ جائے تو فوراً اسے معلوم ہو جائے کہ جسے وہ سعادت و نیک بختی خیال کرتا تھا، وہ شقاوت و بدبختی کی صورت میں ظاہر ہوئی، جسے فرح وسرور سمجھا تھا، وہ مبدل بہ غم ہوگئی اور جسے لذت تصور کرتا تھا۔ وہ رنج والم بن کر چمٹ گئی۔

اسیرِ خواہشات کی مثال

اس کی مثال تو اس پرندے کی سی سمجھ لیجئے جو ایک دانے کے لالچ وفریب میں آکر اسیرِ دام ہو کر رہ گیا۔ نہ دانہ حاصل ہوا، نہ دام سے رہائی (نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے)

کیا خواہشات سے رہائی ممکن ہے

ہاں! کوئی بے چارہ مصیبت زدہ انسان خواہشات سے نجات ومخلصی کی راہ دریافت کرے، تو جواب دیجئے کہ ہاں! ہاں! خدا کا فضل وکرم اور توفیق ونصرت شاملِ حال ہو تو مندرجہ ذیل امور کی تعمیل اور بجا آوری کرنے سے نجات و رہائی کی صورت ہو سکتی ہے۔ وَھِیَ ھٰذِہٖ۔

فصل

خواہشات سے مخلصی کے پچاس طریقے

① شریف وغیور انسان کا عزم واستقلال، جو حصولِ فوائد ودفعِ مضرات پر اسے ہر وقت آمادہ وبرانگیختہ رکھے۔

② صبر کا ایک کڑوا گھونٹ، جسے حلق سے اتارتے وقت نفس کو قابو رکھا جائے۔

③ طبیعت میں کڑوا گھونٹ پینے کی قوت وشجاعت جس سے وہ پوری جرأت و بہادری کے ساتھ اس کو پی سکے، اور شجاعت تمام تر ایک ساعت کے صبر کا نام ہے، بہترین زندگی بھی وہی ہے جو انسان کو صبر سے حاصل ہو۔

④ جرعۂ صبر سے جو شفا و نتیجہ بہتر برآمد ہوگا اس کا تصور۔

⑤ پیروی خواہشات کی تھوڑی سی لذت پر کئی گنا عذاب و تکلیف کا خیال۔

⑥ خدا و مخلوق کے ہاں اپنی گذشتہ عزت و منزلت کے بقا اور قائم و دائم رکھنے کا تصور اور یہ وہ اعلیٰ تصور ہے جو بدرجہا بہتر فائدہ مند ہے۔

⑦ عفت و عصمت کی لذت و حلاوت و عظمت پر معصیت و گناہ کی لذات کو لذتِ عفت پر قربان کر دینے کی پوری قوت و صلاحیت موجود ہو۔

⑧ اپنے خطرناک دشمن پر غلبہ پانے اور اسے بے نیل و مرام واپس ہوتے دیکھ کر فرح و سرور پانے کا مادہ۔

اعمالِ صالحہ کے ذریعہ دشمن وخواہشات کی تذلیل:

خدا تعالیٰ بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کے غلام و فرمانبردار اور نیک بندے اس کے دشمنوں سے محبت و نرمی کی بجائے نہایت سختی سے پیش آئیں، ان سے بغض و عداوت رکھیں اور ہر جگہ انہیں ذلیل و رسوا کر کے دم لیں۔ چنانچہ عزوجل نے کتابِ عزیز میں اس حقیقت کو اکثر جگہ بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ [۹:۱۲۰]

مسلمانوں کے لیے ہر ایسے مقام کی راہ نوردی میں جو کفار کے لیے جل اٹھنے کا موجب ہو، اور ہر ایسے مالِ غنیمت میں جو وہ دشمن سے چھین لائے ہوں، ان کے دفتر اعمالِ صالح میں درج کیے جاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [۴۸:۲۹]

تاکہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے ذریعہ کفار کو غصہ دلائے۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾ (٤۔١٠٠)
جو وطن چھوڑ کر راہِ خدا میں ہجرت کر جائے، خدا تعالیٰ اسے زمین میں بے شمار جاگیر، دولت اور فراخی، وسعت عطا فرمائے گا۔

مَرَاغَمًا سے مراد وہ مقام ہے جس میں دشمنانِ خدا تعالیٰ کو ذلیل و رسوا کیا جائے اوران کی خوب خبر لی جائے اور سچی محبت کی تو علامت یہی ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے دشمنوں سے ہمیشہ بغض و عداوت رکھتا ہے اور انہیں ذلیل و رسوا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔

(۹) اس بات کا گہرا غور و فکر، کہ وہ خواہش پرستی کے لیے پیدا نہیں ہوا، بلکہ کارکنانِ قضا وقدر نے اسے ایک عظیم الشان کام کے لیے تیار کیا ہے، جس کا حصول انکارِ معصیت کے سوا ناممکن ہے۔

چنانچہ کسی شاعر کا شعر ہے:

﴿قَدْ هَيَّأُوْكَ لِاَمْرٍ لَوْ فَطِنْتَ لَهُ فَارْبَأْ بِنَفْسِكَ اَنْ تَرْعٰى مَعَ الْهَمَلِ﴾
اربابِ قضا وقدر نے تجھے عظیم الشان کاموں کے لیے پیدا کیا ہے، کاش تمہیں عقل ہو تو ردی کاموں اور ردی لوگوں سے اپنے نفس کو بچانے کی کوشش کرو۔

انسان وحیوان اوران کا باہمی تفاوت

(۱۰) انسان کو ایسی عادت نہیں اختیار کرنی چاہیے جن کے باعث وہ مقامِ انسانیت سے گر جائے اور چوپایوں سے بھی بدتر ہو جائے۔ کیونکہ اپنے نفع و نقصان اور مضار و منافع کی تو حیوانوں کو بھی کچھ نہ کچھ تمیز ہوتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ کون سی چیز ہمارے لیے مفید و کار آمد ہے اور کون سی چیز ہمارے لیے غیر مفید و نقصان رساں ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک نافع اور فائدہ مند چیز کو غیر مفید اور نقصان دہ چیز پر ترجیح دیتے ہیں اور اسی انسان کو عقل و شعور عطا فرمایا گیا، تو اگر وہ اتنا عقل مند و باشعور ہو کر بھی اپنے فائدہ و نقصان کی شناخت اور

نافع وضار کی تمیز نہ کر سکے، یا تمیز تو کر سکے مگر تمیز کے باوجود نقصان دہ چیز کو ہی پسند اور اختیار کرے تو یقیناً اس کی حالت حیوان سے بھی بدتر ہوگی۔

حیوان سے بدتر ہونے کی دلیل:

اس کی دلیل آپ اس بات سے سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کو انتہائی عیش وخوشی، اور بے فکری وبے غمی کے باوجود وہ لذت اور سرور حاصل نہیں ہوتا جو ایک چوپائے اور حیوان کو کھانے پینے اور خواہشِ نفسانی کے پورا کرنے سے حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مذبح کو جاتے ہوئے بھی اپنی خواہشات میں بدستور منہمک ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے انجام سے غافل اور اپنی عاقبت سے بے علم ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک انسان کو دیکھئے وہ اس قدر فوائد ومنافع حاصل کر لیتا ہے، جو حیوان کو میسر ہونا محال ہیں، کیونکہ انسان کی قوتِ فکر یہ کو خواہشات کے آلات وذرائع پر پورا پورا کنٹرول ہے۔ تو اگر خواہشاتِ نفسانیہ قابلِ فضیلت چیز ہوتیں۔ تو ایک انسان کو جو تمام دنیا سے برگزیدہ خلاصہِ عالم ہے اس میں سے کم حصہ کیوں ملتا اور حیوان وچوپائے کو جو سب سے اخس وکمینہ ہے کیونکر وافر حصہ دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قضا وقدر نے انسان کے لیے جس قدر خواہشات کا حصہ کم کیا ہے، اسی قدر اسے علم وعقل اور معرفت کا حصہ وافر دے کر خامی کو پورا کر دیا ہے۔

خواہشات پرستی کے بے شمار نقصانات

(۱۱) اپنے غور وفکر کو ذرا خواہشات کے عواقب وانجام اور نتیجہ بد کی سیر کروانی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ان کی اطاعت وپیروی کے باعث کس قدر فضائل وخوبیوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور کتنی ہی رذائل وبدعادتوں میں مبتلا ہونا پڑا، کتنے ہی خسیس وحرام لقمے تھے جو حلال لقموں کی سدراہ ہوئے اور کتنی ہی فانی لذتیں تھیں جن کی بدولت ابدی وغیر فانی لذتوں سے محروم ہونا پڑا کتنی ہی ایسی شہوتیں تھیں۔ جنہوں نے عزت ووقار کو خاک میں ملا دیا، شان وشوکت برباد کر دی، سر اونچا کرنے کا نہ چھوڑا، تمام دنیا میں رسوا وذلیل کر دیا اور عمر بھر کے لیے بدنام کر دیا اور پھر ان تمام کے بعد ابدالآباد کے لیے ایسی شرم وعار پیچھے لگا دی، جسے

برسوں ظاہری پانی سے دھوئیں تو نہ دھل سکے، مگر عبرت و نصیحت کہاں؟ خواہش پرست تو اندھا ہو چکا ہوتا ہے، اس کی آنکھیں بے نور اور بصیرت سلب ہو چکی ہوتی ہے۔

خواہشات سے مطلب برآری کے بعد کی حالت

(۱۲) عقلمند کو یہ چاہیے کہ یہ تو ایک ناپائدار و فانی چیز ہے جب مطلب نکل آیا اور غرض پوری ہوگئی تو قصہ ختم، پھر وہ کیا کرے گا؟ علاوہ ازیں یہ بھی خیال کر لینا چاہیے کہ کتنے ہی فائدوں اور نیکیوں سے اسے ہاتھ دھونا پڑے گا اور کتنی مصیبتوں اور برائیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ:

﴿ فَاضِلُ النَّاسِ مَنْ لَّمْ يَرْتَكِبْ سَبَبًا حَتّٰى يَمِيْزَ لِمَا تَجْنِيْ عَوَاقِبُهٗ﴾ سب سے بہتر وہی شخص ہے جو کسی کام کو سوچے سمجھے بغیر اسے ہرگز نہ شروع کرے۔

غیر کے عیب سے اپنے قصور کی اصلاح

(۱۳) پہلے یہی تصور پوری طرح کسی دوسرے کے متعلق کر دیکھئے، پھر دوسرے کو ہٹا کر اسی جگہ خود اپنی ذات کو رکھ کر اسے اپنا نشانہ و مطمع نظر بنائیے اور اس کے مالہ، وماعلیہ اس کی ابتداء و انتہا، آغاز و انجام، فوائد و نقصانات کا تصور کر دیکھیے، تو ہر چیز اسے شیشہ ہو جائے گی کیونکہ کسی چیز کا حکم وہی ہوتا ہے، جو اس نظیر و ہم مثل کا ہوتا ہے۔

مطالباتِ نفس پر دین وعقلِ سلیم سے مشورہ

(۱۴) مطالباتِ نفس کا پہلے خود مطالعہ کرے پھر ان سب کو اپنے دین و عقلِ سلیم کے سامنے پیش کر کے ان سے رائے دریافت کرے تو دونوں یہی مشورہ دیں گے کہ یہ ردی و فضول اور بالکل بے فائدہ چیز ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، انسان کو جب کوئی عورت بھا جائے اور خوبصورت اور پسند لگے، تو اس کی غلاظت و گندگی کے تصور سے اس کا خیال ترک کرے اور

یہ قول احمد بن حسین (متنبّی) کے اس قول:

﴿لَوْفَكَّرَ الْعَاشِقُ فِيْ مُنْتَهٰى حَسَبِ الَّذِيْ يَسْبِيْهِ لَمْ يَسْبِهِ﴾ اسیرِ حسن کو انجامِ حسن کا پتہ چل جائے تو کبھی اس کے دام میں اسیر نہ رہے۔

سے کئی درجہ بہتر ہے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر حالتِ حاضرہ پر ہے اور شاعر کی نگاہ امرِ متاخر پر۔

پرستارِ خواہشات اور انتہائی بزدلی و بدباطنی

(۱۵) خواہشات جیسی خسیس چیز کی اطاعت اور ان کی کفش برداری کی لعنت سے نفس کو ہمیشہ غیرت اور شرم و عار دلاتے رہنا چاہیے کیونکہ جو شخص بھی اپنے ناک میں خواہشاتِ نفس کی نکیل ڈال لے، وہ ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے، پھر خواہش پرست لوگوں کے صولت و دبدبہ، شان و شوکت اور کبر و نخوت کے بھرے میں بھی نہیں آنا چاہیے کیونکہ وہ ایسے بزدل و بدباطن ہوتے ہیں، کہ کبر و نخوت کے باوجود ان میں ذلت جیسی متضاد صفت گھر کیے ہوئے موجود ہوتی ہے۔

خواہشات پرستی کے نقصانات کا فوائد سے موازنہ

(۱۶) انسان اپنے دین و مذہب، مال و دولت، جاہ و حشمت اور عزت و عظمت جیسے قیمتی جواہرات کی سلامتی کو خسیس سی لذت مطلوبہ کے حصول سے موازنہ کر دیکھے تو ان میں باہمی ادنیٰ سی نسبت بھی نہیں پائے گا۔ اس وقت اس کی آنکھیں کھلیں گی کہ ٹھیکریوں کے عوض اس نے جواہرات جیسی قیمتی چیزوں کو فروخت کر کے کس قدر اپنی بے وقوفی کا ثبوت دیا۔

شیطان کو انسان پر کب امیدیں لگتی ہیں

(۱۷) شریف آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفس کو اپنے دشمن، خواہش کے ماتحت زندگی بسر کرنے اور اس کی سختیاں سہنے) سے ہر دم شرم و عار دلاتا رہے، اور نفس کے اندر

غیرت کی ایک آگ سی لگا دے، دشمن خواہش کے ماتحت غلامی ولعنت کی زندگی بسر کرنے سے تو زندہ درگور ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ کبھی شیطان کے قابو میں نہیں آسکے گا۔ کیونکہ شیطان جب انسان کو کمزور ہمت، ضعیف العزیمت، اور مائل بہ خواہشات دیکھتا ہے تو اسے امیدیں لگنے لگتی ہیں اور وہ جھٹ اس پر سوار ہو جاتا ہے اور لگام دے کر جدھر چاہے دوڑائے پھرتا ہے، مگر جب اس میں عزم واستقلال، قوتِ ارادہ، شرافتِ نفس اور علوِ ہمت محسوس کرتا ہے تو اس کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اور سامنے نہیں آسکتا پھر اگر داؤ چلاتا بھی ہے تو قلیل اور وہ بھی چھپ کر۔

خواہشات کی تشریف آوری اور کل چیزوں کا بگاڑ

(۱۸) دل میں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ خواہش جس چیز میں بھی داخل ہوگئی اسے خراب وبرباد کر کے چھوڑے گی۔ علم میں داخل ہوئی، تو عالم کو بدعتی وگمراہ بنائے گی، اور اسے علماء کی صف سے نکال کر خواہش پرستوں کی صف میں لاکھڑا کرے گی، زُہد میں داخل ہوئی تو زاہد کو ریا کار ومخالفِ سنت بنائے گی، حکم میں داخل ہوئی تو حاکم کو ظالم، اور حق و انصاف کا منکر بنائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس! تقسیم میں آداخل ہوئی تو وہ تقسیم، تقسیمِ عادلانہ نہ ہو گی۔ بلکہ مبنی برجور ہوگی، اسی طرح محکمہ ولایت وعزل میں آگھسی، تو والی امیر کو خدا ورسول ﷺ اور اہل اسلام کا غدار وخائن بنائے گی کیونکہ کسی کی معزولی وتقرر کا اسے اختیار ہوگا اور وہ اپنی خواہش کے مطابق جسے چاہئے گا، عہدہ عطا کرے گا اور جسے چاہے گا معزول ومعطل کر دے گا، اسی طرح عبادت کو لے لیجیے جب اس میں خواہشاتِ نفسانی کا قدم رنجہ ہو گا۔ تو وہ عبادت، قرب وطاعت کا موجب نہیں ہوگی بلکہ معصیت ونافرمانی کا باعث ہو گی۔ غرضیکہ یہ منحوس جس چیز میں بھی داخل ہوگی، خرابی وفساد اور بربادی کا باعث ہوگی۔

خواہشات اور شیطان کا چور دروازہ

(۱۹) یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کا داؤ صرف خواہشات کے ذریعے ہی چلتا ہے کیونکہ وہ چاروں طرف پھر کر دیکھتا ہے کہ کسی ذریعہ سے

اس کے دل پر قابو پا کر اس کے تمام اعمال خراب و برباد کر سکے، مگر وہ تمام دروازے مسدود پاتا ہے، آخر اسے یہی چور دروازہ ملتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ داخل ہو کر اس میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے، جیسے بدن میں زہر سرایت کر جاتی ہے۔

اتّباعِ ہوا و اتّباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

خدا تعالیٰ نے خواہشات کو کلام اللہ اور وحیِ الٰہی کی ضد اور اتباعِ ہویٰ و متابعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدمقابل ٹھہرایا ہے۔ اس نے لوگوں کو دو قسموں میں منقسم فرما کر ایک فریق کو اتباعِ وحی اور دوسرے کو اتباعِ ہوا قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ تقسیم قرآن حکیم میں آپ کو جا بجا ملے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآءَ هُمۡ﴾ [۲۸۔۵۰] اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار کر دیں تو یقین کیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات ہی کی اتباع کرتے ہیں۔

نیز ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَا ءَ هُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَاءَ کَ مِنَ الۡعِلۡمِ﴾ (۲۔۱۲۰) علم الٰہی کے حصول کے بعد اگر آپ ان کی خواہشات کی جانب توجہ کریں گے تو۔

علیٰ ہذا القیاس! ایک دو نہیں ایسی بیسیوں آیات موجود ہیں۔

خسیس ترین حیوان

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے خواہش پرستوں کو صورۃً و معنیً خسیس ترین حیوانات سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ کبھی تو کتوں کے مشابہ ٹھہرایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ﴾ [۷:۱۷۶] لیکن وہ دھرنا مار کر زمین پر بیٹھ رہا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا تو اس کی مثال کتے کی سی ہے۔

اور کبھی گدھا قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ (۷۴:۵۰۔۵۱) وہ ان گدھوں جیسے ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوں۔

حتی کہ بعض دفعہ تو شکلیں تبدیل کر کے بندر و خنزیر اور سؤر بنا دیا (اعاذنا اللہ)

خواہش پرستی اور امامت و اطاعت سے معزولی

(۲۲) خواہش پرست انسان نہ تو اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، اور نہ ہی امام و پیشوا، اور متبوع بننے کا اہل ہے، کیونکہ عزوجل نے اس کو عہدہ امامت سے بھی معزول فرما دیا ہے اور اس کی اطاعت سے بھی منع کر دیا ہے۔ چنانچہ معزولی کا ذکر اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں بیان فرمایا۔ کہ:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِ ی الظّٰلِمِیْنَ﴾ [۲.۱۲۴] میں آپ (ابراہیم) کو لوگوں کا امام و مقتدا بنانا چاہتا ہوں، ابراہیم نے فرمایا میری اولاد کو بھی، خدا نے جواب دیا اس عہد سے ظالم لوگ مستثنیٰ ہیں۔

یعنی میرا یہ وعدہ امامت ظالموں کے لیے نہیں ہوگا، اور ہر وہ شخص جو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کا تابعدار و پیروکار ہو وہ ظالم ہے۔ اس کی دلیل عزوجل کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَهْوَاءَ هُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ [۳۰.۲۹] بلکہ ظالم لوگ سوچے سمجھے بغیر، اندھا دھند اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔

رہی خواہش پرست کی اطاعت و فرمانبرداری سے نہی، اس کا تذکرہ آیت ذیل میں موجود ہے کہ:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [۱۸:۲۸] ایسے شخص کا مت کہا مانیے جس کا دل ذکرِ الٰہی سے غافل ہو چکا ہے اور وہ خواہشات کے پیچھے پڑ کر تمام معاملات میں حدودِ شریعت سے متجاوز ہو گیا ہے۔

خواہش پرست و بت پرست

(۲۳) اللہ عزوجل نے خواہش پرست کو بت (وثن) پرست کے قائم مقام رکھا ہے، چنانچہ کلام اللہ میں اس نے دو دفعہ یہ الفاظ دہرائے ہیں۔ کہ:

﴿اَرَاءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰئہُ﴾ آپ نے دیکھا نہیں، جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنالیا۔ [(۴۳:۴۵) ۲۳:۴۵]

حسن رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے منافق شخص مراد ہے جو کسی خواہش کو دیکھ پاتا ہے تو جھٹ اس پر سوار ہوتا ہے۔

نیز آپ کا مقولہ ہے کہ: منافق اپنی خواہشات کا غلام و عبد ہوتا ہے جو خواہش بھی اس کے سامنے آئے اسے کر گزرتا ہے اور جب تک اس کا ارتکاب نہ کرے دم نہیں لیتا۔

(۲۴) خواہشِ نفس، دوزخ کی چار دیواری ہے، جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ارتکاب کرنا جہنم خریدنا ہے، چنانچہ صحیحین میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ:

﴿حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ﴾ جنت کے ارد گرد مصائب و تکالیف اور دوزخ کے چاروں طرف شہوات کی چار دیواری کر دی گئی ہے۔

نیز جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے کہ:

﴿لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ اَرْسَلَ اِلَیْھَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ انْظُرْ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا اَعْدَدْتُ لِاَھْلِھَا فِیْھَا فَجَاءَ ھَا فَنَظَرَ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا اَعَدَّاللّٰہُ لِاَھْلِھَا فِیْھَا فَرَجَعَ اِلَیْہِ وَقَالَ وَعِزَّتِکَ اِلَّا دَخَلَھَا مِنْ عِبَادِکَ لَا یَسْمَعُ بِھَا اَحَدٌ مِنْ عِبَادِکَ اِلَّا دَخَلَھَا فَاَمَرَبِھَا فَحُجِّبَتْ بِالْمَکَارِہِ

خدا نے جب جنت کو تخلیق فرمایا تو معائنہ کے لیے جبرئیل علیہ السلام امین کو بھیجا، کہ جنت اور اہل جنت کے لیے تیار کردہ نعمتوں کو جا کر ملاحظہ کر آئے جبریل علیہ السلام گئے اور جنت اور جنت کی تمام چیزوں کو ملاحظہ فرمایا اور واپس تشریف لا کر فرمانے لگے، خدایا! تیرے عزت وجلال کی قسم! اسے تو جو بھی سن پائے گا ضرور داخل ہو کر رہے

وَقَالَ اِرْجِعْ اِلَيْهَا فَرَجَعَ فَاِذَا اِرْتَدَ حُجِبَتْ بِالْمَكَارِهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ اذْهَبْ اِلَى النَّارِ فَانْظُرْ اَلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعْدَدْتُ لِاَ هْلِهَا فِيْهَا فَجَآءَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِاَ هْلِهَا فِيْهَا فَاِذَا هِيَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا فَاَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ فَقَالَ ارْجِعْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَرَجَعَ اِلَيْهَا فَاِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ فَرَجَعَ اِلَيْهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَنْجُوْا مِنْهَا اَحَدٌ﴾

گا تو عزوجل نے اس کے چاروں طرف مصائب وتکالیف کی دیوار کھینچ دینے کا حکم صادر فرمایا جس کی فوراً تعمیل ہوئی اور دوبارہ جبریل علیہ السلام کو ملاحظہ کے لیے روانہ فرمایا، جبریل علیہ السلام نے دیکھا تو مصائب وتکالیف کی چاردیواری سے گھرا پایا تو آ کر کہنے لگا خدایا! تیری عزت کی قسم اب تو مجھے ڈر ہے۔ کہ وہاں کسی ایک کا بھی گزر نہ ہو سکے، پھر باری تعالیٰ نے دوزخ اور دوزخیوں کے لیے وہاں کے تیارکردہ عذاب کو دیکھنے کا حکم دیا، تو جبرئیل علیہ السلام آ کر دیکھتے ہیں کہ آگ کے شعلے باہم لپٹ لپٹ کر ایک دوسرے کو کھائے جا رہے ہیں واپس لوٹے اور کہنے لگے خدایا تیری عزت وعظمت کی قسم! وہاں تو کوئی بھی داخل نہ ہوگا۔

تو خدا نے اس کی چاروں طرف شہوات کی چاردیواری کردی اور فرمایا دوبارہ ملاحظہ کرو، جبریل علیہ السلام گئے تو شہوات سے گھرا پایا۔ واپس تشریف لائے تو کہنے لگے خدایا! اب تو خطرہ ہے کہ اس سے کوئی بھی بچ کر نہ نکلے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خواہش پرستی وخطرۂ ایمان

(۲۵) خواہش پرست کے متعلق سخت خطرہ ہے کہ وہ اپنی بے شعوری میں ایمان واسلام سے خارج ہو کر کہیں دونوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ﴾ [اربعین نووی وسندہ صحیح]

جب تک انسان کی تمام خواہشات، میری آوردہ شریعت کے تابع نہ ہولیں، کوئی بھی ایماندار نہیں ہوسکتا۔

نیز صحیح حدیث میں ہے کہ آنجناب ﷺ نے فرمایا:

﴿اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ شَھَوَاتُ الْغَیِّ فِیْ بُطُوْنِکُمْ وَفُرُوْجِکُمْ وَمُضَلَّاتِ الْھَوٰی﴾ [امام احمد بروایت ابی بردہؓ اسلمی]

سب سے بڑھ کر مجھے تمہاری اندرونی و بیرونی اور فروج کی شہوات اور خواہشات کے گمراہ کن اسباب وذرائع کا خطرہ ہے کہ تمہیں کہیں لے نہ ڈوبیں۔

مُنْجِیَات وَمُہلِکَات

(۲۶) مہلکات میں سے ایک اتباع ہوا اور خواہشات بھی ہیں چنانچہ رسول خدا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ثَلاَثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلاَثٌ مُھْلِکَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَّجَلَّ فِی السِّرِّ وَالْعَلاَنِیَۃِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَاءِ وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُّتَّبَعٌ وَشُحٌ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ﴾ [مسند وغیرہ بروایت انس و اوسط طبرانی وغیرہ]

تین چیزیں موجب نجات ہیں (۱) جلوت وخلوت میں خدا کا ڈر (۲) غضب وغصہ اور خوشی کی حالتوں میں سچی بات (۳) تونگری اور فقیری میں میانہ روی اور اعتدال پسندی۔ اور تین امر مہلک ہیں۔
(۱) آزاد خواہش پرستی۔
(۲) بخل کی غلامی
(۳) غرور وخود پسندی
(ہمچو ما دیگرے نیست)

ترکِ خواہشات سے توانائی

(۲۷) مخالفتِ خواہشات سے بدن میں توانائی، دل میں طاقت اور زبان میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے، خواہشات کو مغلوب کر لینے والا انسان پورے شہر کو تنہا فتح کر لینے والے شخص سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔

حقیقی پہلوان کون ہوتا ہے؟

صحیح و مرفوع حدیث میں ہے:

﴿لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ وَلٰکِنَّ الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ﴾ پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑتا پھرے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو ضبط میں رکھے۔ [صحیحین و مسند احمد]

غرضیکہ مخالفتِ خواہشات کی جتنی پریکٹس (مشق) کی جائے گی۔ اتنا ہی قوت پہ قوت حاصل ہوگی۔

بامروّت و بے مروّت

(۲۸) انسان جتنا بامروت ہوگا، اتنا ہی خواہشات کا مخالف، اور جتنا بے مروت ہوگا، اتنا ہی مخالفتِ ہوا میں کمزور ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروت کی تعریف

معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے "ترکِ شہوات اور خواہشات کی نافرمانی کا نام مروت ہے لہٰذا اتباعِ خواہشات سے مروت سلب ہو جاتی ہے، اور ان کی مخالفت سے رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔

عقل اور خواہشات کا دنگل

(۲۹) انسان کی عقل و خواہشات کا ہمیشہ تصادم ہوتا رہتا ہے اور کوئی دن خالی نہیں

گذرتا۔ جس میں دونوں کی باہمی جنگ نہ ہوتی ہو، تو جو طاقت مقابل طاقت پر غالب آتی ہے تو اسے شکست دے کر خود حکمران ہو جاتی ہے، اور اس کا سکہ چلتا ہے۔

خواہشات اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول

ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''صبح ہوتے ہی انسان میں اس کی خواہشات اور اس کے اعمال آ موجود ہوتے ہیں پھر اس کے اعمال اگر اس کی خواہشات کے تابع ہوں تو وہ دن سب سے برا دن ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر اس کی تمام خواہشات اس کے اعمال کے تابع ہوں تو وہ دن سب دنوں سے بہتر اور اچھا ہوتا ہے''۔

قرینین

(۳۰) عزوجل نے خطا اور اتباعِ خواہشات کو ایک دوسرے کا ساتھی وقرین اور صواب ومخالفتِ خواہشات کو ہمہ گیر قرین ودوست ٹھہرایا ہے، چنانچہ:

ارشد واقبح کی عدم تمیز اور مقولہِ عارف

بعض سلف کا قول ہے ''دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ارشد واقبح ہونے کا امتیاز نہ ہو سکے۔ تو اس امر کو ترک کر دیجئے جو خواہشاتِ نفسانیہ کے زیادہ قریب ہو، کیونکہ خطا کا امکان اسی میں زیادہ ہوگا جو خواہش سے قریب تر ہوگا۔

مرضِ خواہشات اور اس کی دوا

(۳۱) ''ہوا'' یعنی خواہشات' سراسر بیماری ہیں' اور ان کی مخالفت ہی ان کی دوا اور ان کا علاج ہے۔

مریضِ خواہشات اور مقولہِ عارف

کسی عارف کا قول ہے کہ ''برا نہ منائیں تو میں آپ کی بیماری اور ساتھ ہی اس کا علاج اور اس کی دوا بھی بتلا دوں، خواہشات آپ کی بیماری ہیں، اور مخالفتِ نفس و ترکِ

خواہشات اس کی دوا اور اس کا علاج ہے۔

بشر حافی کا مقولہ

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''تمام بیماریاں اور بلائیں خواہشات میں مرکوز اور تمام تر شفا و تندرستیاں مخالفتِ خواہشات میں موجود ہیں۔

جہادِ اکبر

(۳۲) خواہشات سے جہاد، اگر جہاد بالکفار سے اعلیٰ نہیں، تو اس سے ادنیٰ بھی نہیں۔

جہادِ اکبر اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

کسی نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ ''اے ابا سعید! کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا اپنی خواہشات سے جہاد''۔

جہادِ نفس اور امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

میں (ابنِ قیمؒ) نے استاد (ابنِ تیمیہؒ) کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ

نفس و خواہشات سے جہاد، جہاد بالکفار والمنافقین، کی اصل اور جڑ ہے کیونکہ انسان جب تک پہلے اپنے نفس اور اس کی خواہشات کے جہاد میں کامیاب نہ ہولے اس وقت تک کفار و منافقین سے جہاد نہیں کرسکتا۔

پرہیز و بد پرہیزی

(۳۳) بد پرہیزی ''ہویٰ'' کہلاتی ہے اور ہواو خواہشات کی مخالفت کا نام پرہیز و احتیاط ہے اور جو شخص اپنے علاج میں پرہیز کو چھوڑ کر بد پرہیزی کو آلہ کار بنا رکھے تو اس کی دوا ہی اس کے لیے موجب ہلاک ہوگی۔

عبدالملک اور غیرت مند جنگلی کا مکالمہ

عبدالملک بن قریب فرماتے ہیں کہ ایک جنگلی کے ہاں میرا گذر ہوا، جسے سخت رمدِ چشم تھی، اور چہرے پر آنسو بہے جاتے تھے۔ میں نے اسے کہا کہ تو آنکھوں کو صاف کیوں نہیں کر لیتا۔ اس نے جواب دیا کہ حکیم صاحب منع کر چکے ہیں اور ایسا شخص خیر و برکت سے خالی ہے، جسے منع کیا جائے تو نہ رکے، اور حکم ملے تو تعمیل نہ کرے۔ میں نے کہا کسی چیز کے لیے جی چاہتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں جی تو چاہتا ہے مگر بد پرہیز انسان نہیں ہوں۔ دوزخیوں کے جہنم رسید ہونے کی آخری وجہ تو ہے کہ خواہشات نے ان کی احتیاط و پرہیز کو مغلوب کر لیا تو وہ ہلاک و برباد ہوئے۔

خواہش پرستی اور ابوابِ توفیق و ابوابِ ذلت

(۳۴) اتباعِ خواہشات سے انسان پر توفیق خیر و نیکی کے دروازے بند اور ذلت و رسوائی کے دروازے کشادہ ہو جاتے ہیں، اس لیے آپ اسے ہر وقت یہ خواہش کرتا پائیں گے کہ کاش خدا تعالیٰ اسے فلاں فلاں نیکی و بھلائی کی توفیق عنایت کرتا مگر کہاں وہ تو پیروی خواہشات کے باعث توفیقِ خیر کے ذرائع اور نیکی اور بھلائی کے راستے اپنے ہاتھوں خود مسدود کر چکا ہے۔

مقولہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے۔

”جسے خواہشات اور طاعتِ شہوات مغلوب کر لیں اس پر خیر و برکت کے تمام ذرائع منقطع اور توفیق کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔

سرچشمہ ہائے کفر

بعض علماء کا قول ہے کہ

”کفر چار چیزوں میں ہے۔ غضب، شہوت، اور رغبت و رہبت میں، پھر خود ہی

فرماتے ہیں، کہ دو چیزوں کا مشاہدہ تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے کیا ہے، ایک وہ آدمی جس نے غصہ میں آکر اپنی ماں کو قتل کر دیا، دوم وہ شخص جو عشق میں مبتلا ہو کر عیسائی ہو گیا۔

ایک شخص کو عورت کا جواب

کسی بزرگ کی نظر خوبصورت عورت پر جا پڑی تو اس کی طرف چل پڑا۔ اور کہنے لگا:

﴿اَهْوِیْ هَوَی الدِّیْنِ وَاللَّذَّاتَ وَتَعْجِبُنِیْ فَکَیْفَ لِیْ هَوَی اللَّذَّات وَالدِّیْنِ﴾ دین کے لیے بھی جی چاہتا ہے اور لذات بھی پسند لگتی ہیں مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں۔

تو عورت نے جواب دیا ایک ترک کر دیجئے دوسری خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

خائنِ خدا کے سب کام برباد

(۳۵) جو شخص اپنی خواہشات کی اعانت کرے تو اس کی عقل ورائے خراب و برباد ہو جاتی ہے کیونکہ عقل جیسی خدا کی دی ہوئی نعمت وامانت میں وہ اس کی خیانت کرتا ہے اس لیے وہ اسے خراب و برباد کر دیتا ہے اور ہر شخص کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ جو کسی کام میں بھی اس کی خیانت وخلاف ورزی کرے گا وہ اسے خراب و برباد کر کے رکھ دے گا۔

خلیفہ معتصم کا مقولہ

خلیفہ معتصم نے ایک دن کسی دوست سے فرمایا: ''اے فلاں! جب خواہشات کی نصرت (امداد) کی جائے تو عقل خود بخود چلی جاتی ہے''۔

میں (ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ) نے کسی کو اپنے استاد (ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) سے کہتے سنا کہ ''آدمی جب نقد دراہم میں خیانت کرنے لگ جاوے تو خدا تعالیٰ اس سے نقد یعنی کھرے کھوٹے کی تمیز وشناخت سلب کر لیتا ہے''۔

مقولہ امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

تو شیخ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

''یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے'' جو مسائلِ علم میں خدا اور رسول کی خیانت کرنے لگ جائے۔''

قبر و قیامت میں تنگی و کشادگی کے اسباب:

(۳۶) جو شخص اپنے نفس کے لئے یہاں (دنیا کے اندر) اتباعِ ہوا و خواہشات میں وسعت و کشادگی کرے گا اس پر قبر و قیامت اور آخرت میں تنگی کی جائے گی اور جو خواہشات کی مخالفت کرے، اسے دنیا میں تنگ کر دے گا۔ اس پر قبر و قیامت میں کشادگی اور وسعتیں ہی وسعتیں ہو جائیں گی۔ چنانچہ عز و جل نے آیت ذیل میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

﴿وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا﴾ دنیا میں صبر کرنے کے عوض خدا مومنوں کو آخرت میں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ [۷۵:۱۲]

خواہشات پر صبر کا بہتر معاوضہ

چونکہ صبر میں جو خواہشات سے نفس کو حبس اور بند کرنے کا نام ہے، خشونت و سختی اور تضیق و تنگی ہوتی ہے، اس لیے آخرت میں عز و جل اس کے عوض ریشم کے نرم نرم لباس اور جنت کی وسعت و کشادگی اور فراخی عطا فرمائے گا۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ''صَبَرُوْا'' میں صبر سے مراد شہوات سے صبر کرنا ہے۔

صحبتِ اولیا سے وحشت

(۳۷) خواہش پرست انسان جس طرح دنیا میں اہلِ تقویٰ و فرقہِ ناجیہ سے گریز کرتا ہے اور ان کی صحبت و مجلس سے اس کے دل پر دہشت و بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے، بعینہ اسی طرح آخرت میں بھی اس کے دل پر اتباعِ خواہشات کے باعث قبر سے اٹھتے ہوئے

دہشت اور بے ہوشی چھائی ہوگی اور ناجی لوگوں کے ساتھ چلنے سے معذور ہوگا۔

بدمستیِ شہوات سے قیامت کو بے ہوشی

محمد بن الورد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عزوجل نے ایک دن ایسا مقرر کر رکھا ہے جس کے شر و مصیبت سے خواہش پرست انسان کی نجات مشکل سے ہی ہو سکے گی اور قبروں سے اٹھنے کے باعث قیامت کو دیر تک وہی لوگ بدحواس و بے ہوش رہیں گے جو دنیا کے اندر شہوات میں ہمیشہ منہمک و بدمست رہا کرتے تھے اور میدانِ طلب میں عقل جب کود پڑتی ہے تو مطلوبات کا بیشتر حصہ اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو صبر کے ساتھ عقل کا توازن قائم رکھے۔ عقل تو ایک معدن ہے اور فکر اس کا معتمد و معاون ہے۔

خواہش پرستی اور عزائم کی کمزوری

(۳۸) خواہش پرستی سے ہی انسان کے عزائم سست و کمزور اور اس کی مخالفت سے قوی و مضبوط ہوتے ہیں، عزائم ہی ایک ایسی سواری ہے جس پر سوار ہو کر انسان اپنے خدا اور دار الآخرۃ تک پہنچ سکتا ہے، اور جب سواری ہی بے کار ہوگئی، تو مسافر کا منزلِ مقصود تک پہنچنا معلوم۔

زیادہ صحیح العزائم کون ہے

یحییٰ بن معاذ سے دریافت کیا گیا۔

''کون شخص زیادہ صحیح العزم ہوتا ہے؟ فرمایا، جسے خواہشات پر پورا کنٹرول ہو۔

سلیمان بن حبیب کا مغالبہِ خواہشات اور ''بدر'' نامی کنیز کا واقعہ:

خلف ابن خلیفہ کو سلیمان بن حبیب ابن مہلب کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا، اس کی ''بدر'' نامی ایک خوبصورت و نوجوان لونڈی پر نظر پڑی جو حسن و جمال اور خوبصورتی و رعنائی کے باعث بدر کے نام سے مشہور جہاں ہو چکی تھی۔ سلیمان نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خلف سے دریافت فرمایا، کہ آپ اسے کیسی خیال کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا:

بادشاہ سلامت! میری آنکھوں نے آج تک ایسی خوبصورت و حسین لونڈی نہیں دیکھی، سلیمان نے کہا اس کا ہاتھ پکڑ لیجیے اور لے جایئے یہ آپ کی ہو چکی۔ خلف نے جواب دیا۔ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ سلامت کی محبوبہ کو لے جا کر ان کو خواہ مخواہ گھبراہٹ میں ڈال دوں کیونکہ میں انہیں اس پر شیفتہ و فریفتہ دیکھ چکا ہوں۔ سلیمان نے کہا افسوس! میری محبت و شیفتگی کے باوجود آپ اسے لے جایئے تاکہ آپ کو میرے عزم و استقلال کا پتہ چل جائے، اور معلوم ہو جائے کہ مجھے اپنی خواہشات پر کس قدر غلبہ و کنٹرول اور قبضہ حاصل ہے، خلف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور شعر کہتے ہوئے چل دیا کہ:

﴿ لَقَدْ حَبَانِیْ وَاَعْطَانِیْ وَفَضَّلَنِیْ عَنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ مِنْهُ سُلَیْمَانُ عن
اَعْطَانِیْ الْبَدر خُوْدًا فِیْ مَحَاسِنِهَا وَالْبُدْرلَمْ یُعْطَهُ اِنْسٌ وَلَاجَانٌّ
وَلَسْتُ یَوْمًا بِنَاسٍ فَضْلَهُ یَوْمًا حَتّٰی یُغَیِّبَنِیْ لَحْدٌ وَاَكْفَانٌ.

سلیمان نے بن مانگے مجھے انعام دیا اور عام لوگوں سے زیادہ اعزاز و اکرام کرتے ہوئے ممتاز فرمایا، اس نے بدر نامی جوان و حسین لونڈی جو اپنے محاسن میں یکتا تھی مجھے عطا فرمائی حالانکہ (بدر) چاند نہ آج تک کسی جن کو انعام ملا، نہ ہی کسی انسان کو ملا اور میں ابدالآباد، حتی کہ لحد و کفن میں چھپتے دم تک اس کا فضل و انعام و اعزاز و اکرام نہیں بھولوں گا۔

سوارِ خواہشات کی مثال

(۳۹) خواہش پرست کی مثال، اس سوار کی سی ہے جو سخت زور آور، مضبوط و بدلگام گھوڑے پر سوار ہو، جس کی باگیں ٹوٹ چکی ہوں اور وہ بالکل بے لگام ہو چکا ہو، تو یقیناً وہ اسے یا تو زمین پر ٹپک دے گا، یا کسی مہلک مقام میں لے گھسے گا۔

جنت و دوزخ کی سواریاں

جنت میں پہنچانے والی سب سے تیز رفتار سواری ''زہد فی الدنیا'' (دنیا سے بے رغبتی) ہے اور جہنم میں سب سے جلدی پہنچانے والی سواری ''حب الشھوات'' (محبتِ خواہشات) ہے اور جو آدمی خواہشات پر سوار ہو جائے، وہ جلد از جلد اسے ہلاکت خیز جنگل میں جا

پھینکیں گی۔

اشرفُ العلما کون ہے؟

''اشرف العلماء وہ ہے، جو اپنے دین کو دنیا سے صحیح سالم لے نکلے اور خواہشات کو سخت بیڑیوں میں جکڑ دے''۔

خواہشات ومقولہِ عطاء رحمۃ اللہ علیہ:

عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے۔

''جس کی خواہشات، اس کے عقل پر اور اس کی جزع فزع وگھبراہٹ اس کے صبر پر غالب آجائیں تو وہ ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔

خواہشات کا بت

(۴۰) ''توحید'' و ''خواہش پرستی'' دونوں باہم متضاد، اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں، کیونکہ خواہش ایک بت ہے اور ہر شخص کے اندر اس کی خواہش کے مطابق ایک بت موجود ہے، جتنی خواہش زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ بت بڑا ہوگا اور جس قدر خواہش کم ہوگی اس قدر وہ بت چھوٹا ہوگا، اور انہیں بتوں کو توڑنے اور خالص اپنی پرستش کروانے کے لیے ہی عزوجل نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ بت شکنی وکسرِ اصنام سے خدا کی یہ مراد نہیں کہ مجسم بت توڑ دیئے جائیں اور دل کے اندرونی بتوں کو چھوڑ دیا جائے بلکہ عزوجل کا مقصد تو یہ ہے کہ سب سے پہلے اندرونی بتوں کا ستیاناس کیا جائے اور دل کے اندر چھپے ہوئے بتوں کی بیخ کنی واستیصال کیا جائے۔

بتِ مجسم وبتِ خیال

حسن ابن علی مطوعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہر آدمی کا بت اس کی اپنی خواہشات ہیں، جو شخص انہیں اپنی مخالفتِ خواہشات کے ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ وہی جوانمردی وبہادری کے خطاب کا مستحق ہے''

آپ غور تو کیجیے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول پر:

﴿مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِیْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ﴾ یہ کیا مورتیاں ہیں؟ جن پر تم بیٹھ رہے ہو

[۵۲:۲۲]

تو ان تمثالوں پر کیسے چسپاں کریں گے، جو دل کے اندر ہوتی ہیں، جنہیں وہ چاہتا ہے، جن کا اعتکاف کرتا ہے، جن کا مجاور بنا رہتا ہے اور خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتا ہے۔

عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اَرَاٰيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلاً ○ اَنْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَ هُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ○ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَ نْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

[۲۶:۴۳۔۴۴]

کیا کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود قرار دے رکھا ہے؟ کیا تم اس شخص کے وکیل ہو اور کیا تمہارا خیال ہے کہ اکثر ان میں سے سمجھ سکتے ہیں؟ یہ لوگ تو یقیناً چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں۔

امراضِ قلبی و بدنی کا اصل سبب

(۴۱) خواہشات کی مخالفت، امراضِ قلبی و بدنی کے ازالہ کا موجب اور ان کی اطاعت ومتابعت ان امراض کے لحوق کا باعث ہوتی، تو معلوم ہوا کہ امراضِ قلب تمام تر اتباع خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں اور خواہش پرستی ہی تمام بیماریوں اور برائیوں کا منبع و سرچشمہ ہے۔

امراضِ بدنی کا آپ سراغ لگائیں اور تفتیش کر دیکھیں تو اکثر بیماریاں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جن کا اصلی سبب ہوگا، بد پرہیزی اور مناسب خواہشات پر نامناسب کی ترجیح وتفوق"۔

خواہش پرستی حسد وعداوت اور شرارت کا منبع ہے

(۴۲) لوگوں کی باہمی عداوت شرارت اور حسد کی جڑ اتباعِ خواہشات ہے۔ جس نے خواہشات کی تعمیل سے انکار کیا۔ اس نے اپنے دل، بدن اور اعضاو جوارح۔ سب کو با آرام کر دیا، خود بھی راحت پائی اور دوسروں کو رنج و بلا سے با آرام کر دیا۔

غلبۂ شہوات کی خرابیاں

ابو بکر الورّاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

غلبۂ خواہشات سے سیاہ قلبی، سیاہ قلبی سے سینہ تنگی اور سینہ تنگی سے بد خلقی پیدا ہوتی ہے۔ جب خواہشات کا غلبہ ہو جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے، سیاہی قلب سے سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ سینہ تنگی سے بد خلقی پیدا ہوتی ہے جب اخلاق بد ہو جائیں تو وہ لوگوں کی نظروں میں مبغوض اور لوگ اس کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتے ہیں، تو غور کیجیے کہ باہمی بغض وعداوت سے کتنی شرارتیں کس قدر عداوتیں، کتنی حق تلفیاں اور کتنے ہی دیگر نقصانات و مصائب پیدا ہوتے ہیں۔

غلبۂ خواہشات سے عقل رُوپوش ہو جاتی ہے

(۴۳) عزوجل نے انسان میں عقل وخواہش دونوں پیدا کر دی ہیں تو دونوں میں سے جس قوت کا غلبہ ہوگا، دوسری طاقت رُوپوش ہو جائے گی۔ چنانچہ ابو علی بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''جس پر خواہشاتِ نفسانیہ غالب آ جائیں، اس کی عقل رُوپوش ہو جاتی ہے تو اس شخص کے انجام و عاقبت کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس کی عقل پر پردے پڑ جائیں اور خلافِ عقل باتوں کا ظہور ہونے لگے۔

خواہشات و عقل کی جنگ

علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

’’عقل وخواہشات کا ہر وقت باہمی تنازعہ اور جنگ وجدال رہتا ہے، توفیق عقل کا ساتھ دیتی ہے، اور ذلت وناکامی خواہشات کا ساتھ، اور نفس چونکہ دونوں کے عین درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، اس لیے فریقین میں سے جو فریق غالب آجائے وہ اسی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

اعضاو جوارح کے بادشاہ دل کی آزمائش

(۴۴) اللہ عزوجل دل کو اعضاء وجوارح کا بادشاہ اپنی معرفت ومحبت، اور عبودیت کی معدن بنا کر دو بادشاہوں، دولشکروں، دو مددگاروں اور دو قسم کے رسد وسامانِ حرب کے ذریعہ اس کا امتحان لیتا ہے ’’حق وزہد اور ہدایت ایک بادشاہ ہے، جس کے اعوان ومددگار ’’ملائکہ‘‘ ہیں اور ’’صدق واخلاص اور اجتنابِ خواہشات‘‘ اس کا ’’لشکر‘‘ ہے، دوسرے بادشاہ کا اِسم گرامی ’’باطل شریف‘‘۔ جس کے اعوان وانصار ’’شیاطین‘‘ وجنود الشیاطین‘‘ ہیں اور سامان حرب، اتباعِ خواہشات ہے اور ’’نفس‘‘ دونوں لشکروں اور فوجوں کے عین وسط میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہوتا ہے اور باطل کا لشکر سب سے پہلے نفسانی سرحدات ونواحِ نفس کی جانب سے ہی دل پر حملہ آور ہوتا ہے، تو ’’نفس‘‘ اپنے بادشاہ (دل) کے خلاف سازش کرتے ہوئے دشمن سے مل کر خفیہ معاہدہ وسمجھوتہ کر لیتا ہے، اور دل کو محض زبانی امداد کا چکمہ دے کر بے پرواہ وبدمست کیے رکھتا ہے۔ پھر اندر ہی دشمن کو خود سامان مہیا کرتا اور رسد پہنچاتا رہتا ہے اور بالآخر خود ہی دشمن پر شہر کے دروازے کھول دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن شہر میں گھس کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے، اور دل کو شکستِ فاش اور ذلت ورسوائی نصیب ہوتی ہے۔

سب سے بڑا دشمن شیطان اور خواہش:

(۴۵) انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان اور اس کی خواہشات ہوتی ہیں اور سب سے بڑا دوست اس کی اپنی عقل اور وہ فرشتہ ہوتا ہے جو اس کا ناصح ہوتا ہے، مگر جب وہ خواہشات کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے تو گویا خود اپنا ہاتھ دشمن کے ہاتھ میں دے کر اس کا اسیر بن جاتا ہے اور اپنی شکست سے ہی دشمن کو خوش کر کے اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے برائی و خیانت کرتا ہے، غداری کرتا ہے اور یہ بعینہ وہی ''﴿جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ شِمَاتَةَ الْاَعْدَاءِ﴾ ہے جس سے پیغمبر خدا ﷺ پناہ مانگتے تھے، کہ

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ ﴾ خدایا! میں سختی و تکلیف، لازمی بدبختی، تقدیرِ بد اور دشمنوں کی ہنسی مخول سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

انسان کی ابتدا و انتہا اور انجام

(۴۶) ہر شخص کی ابتداء و انتہا ہوتی ہے جس کی ابتداء اتباعِ خواہشات ہو، اس کی انتہا ذلت و رسوائی، محرومی اور مصیبتِ دائمی بقدر اتباعِ خواہشات ہوتی ہے۔ بلکہ مصیبتِ دوامی تو آخر میں اس کے لیے دائمی عذاب بنتی ہے کہ ہر وقت اس کا دل مبتلائے عذاب رہتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

''﴿ مَآرِبُ كَانَتْ فِی الشَّبَابِ لِاَهْلِهَا عَذَاباً فَصَارَتْ فِی الْمُشِیْبِ عَذَابَا ﴾ جوانی میں نوجوان کی خواہشات ''عذاب'' (شربت) تھیں جو بڑھاپے میں عذاب بن گئیں''۔

ترجیحِ خواہشات پر عقل کے نتائج

اور حقیقت بھی یہی ہے، اب اگر آپ غور و تامل سے ایک بدحال و بدعادت شخص کی حالت ملاحظہ فرمائیں تو آپ دیکھ لیں گے کہ اس کی ابتداء دو چیزیں تھیں، ایک انہماک بہ

خواہشات، دوم عقل وفکر پر خواہشات کو ترجیح۔ جس کی ابتداء، مخالفتِ خواہشات'' و'' داعیِ رشد کی اطاعت'' ہوگی، اس کی انتہا، عز وشرف، غنا وتونگری اور خداو مخلوقِ خدا کے ہاں قدر ومنزلت ہوگی۔

شباب میں ترکِ خواہشات کا نتیجہِ حسنہ

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''جو شخص شباب میں خواہشات وشہوات پر قابو رکھے۔ خدا تعالیٰ اسے کہولت و بڑھاپے میں عزت ووقار عنایت فرمائے گا۔''

ضبط ودانشمندی

مہلب بن ابی صفرہ سے دریافت کیا گیا، آپ کو یہ سب کچھ کیسے حاصل ہوا؟ اس نے جواب دیا۔ ضبط ودانشمندی کی اطاعت اور خواہشات کی نافرمانی وانکار کی بدولت، یہ تو تھا دنیا کا آغاز وانجام۔ رہی آخرت تو اس میں عزوجل نے منکر ومخالف خواہشات کا انجام وانتہا جنت، اور خواہش پرست کی انتہا نارِ جہنم مقرر فرمائی ہے۔

خواہشات اور غلامی وآزادی

(۴۷) خواہش وہوائے نفس دل کے لیے غلامی، گردن کا طوق اور پاؤں کی بیڑی ہے۔ اور اس کا پیرو ہر بد خصلت وبدعادت کا اسیر ہوتا ہے تو جو شخص اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اس کی اطاعت سے انکار کر دے۔ وہ اس کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور گردن سے طوق اور پاؤں سے بیڑی اتر جاتی ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پہلے رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ یعنی بہت سے لوگوں کا مشترکہ غلام تھا اور اب سَلَمًا لِّرَجُلٍ یعنی محض ایک کا............ ہو گیا:

﴿ رُبَّ مَسْتُوْرٍ سَبَتْهُ شَهْوَةٌ فَتَعَرّٰى سِتْرُهٗ فَانْهَتَكَا صَاحِبُ الشَّهْوَةِ عَبْدٌ فَاِذَا غَلَبَ الشَّهْوَةَ اَضْحٰى مَلِكًا.

اکثر مستورالحال ایسے تھے جو درپردہ اسیرِ شہوات تھے، اس لیے محترم رہے مگر جب پردہ اٹھا تو وہ ذلیل ورسوا ہوگئے۔ مغلوب الشہوات غلام ومملوک ہوتا ہے لیکن شہوات پر جب غالب آجائے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

عَبْدُ الشَّهَوَات

ابنِ مبارک کا شعر ہے:

﴿ وَمِنَ الْبَلَاءِ وَلِلْبَلَاءِ عَلَامَةٌ
اَنْ لَّا يُرٰى لَكَ عَنْ هَوَاكَ نُزُوْعٌ
اَلْعَبْدُ عَبْدُ النَّفْسِ فِيْ شَهَوَاتِهَا
وَالْحُرُّ يُشْبَعُ تَارَةً وَيَجُوْعُ ﴾

یہ بھی ایک بلا ہے اور بلا کی علامت یہ ہے کہ ترکِ خواہشات کی امیدیں بھی تجھ سے منقطع ہو جائیں غلام وہ ہے جو شہوات میں نفس کا غلام ہو جائے لیکن آزاد کبھی سیر شکم ہوتا ہے کبھی بھوکا رہتا ہے۔

تارکِ خواہشات کا مقام ومرتبہ اور انجام

(۴۸) مخالفتِ خواہشات انسان کو ایسے مقام میں پہنچاتی ہے کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کو بھی کسی کام کی بھی قسم دے تو اللہ عزوجل اسے پورا کر دے، پھر عزوجل اس کی فوت شدہ خواہشات سے بھی اس قدر زیادہ حاجتیں پوری کرتا ہے، جو ان خواہشات سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتی ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی کو مینگنی پھینک دینے کے صلہ میں بیش قیمت موتی انعام مل جائیں مگر اس کے برعکس خواہش پرست سے اس کی پُر کیف زندگی اور اس قدر بے شمار دنیوی واخروی فوائد فوت ہو جاتے ہیں جن سے اس کی عمر بھر کی مظفر و کامیاب خواہشوں کو یقیناً ادنیٰ سی نسبت بھی نہیں۔

ترکِ شہوات اور یوسف علیہ السلام

یوسف صدیق علیہ السلام کے متعلق غور کر دیکھئے، آپ نے جب حرام کاری سے اپنے نفس کو کامیابی کے ساتھ بچالیا تو جیل کی بند کوٹھڑیوں سے رہائی پاتے ہی، آپ کے ہاتھ، پاؤں، زبان اور نفس کس قدر کشادہ ہوئے اور انہیں کس قدر وسعت وفراخی نصیب ہوئی۔

ترکِ خواہشات اور ایک خواب

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''میں نے خواب میں سفیان ثوری کو دیکھ کر دریافت کیا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا، کہنے لگے، کہ قبر میں پہنچتے ہی مجھے عزوجل کے سامنے پیش کر دیا گیا، عزوجل نے معمولی وسہل سا حساب لے کر جنت میں چلے جانے کا حکم صادر فرمایا، اور میں وہاں چلا گیا، اتفاقاً میں ایک دن بہشتی باغوں اور نہروں میں پھر رہا تھا، نہ وہاں کوئی آواز تھی اور نہ حس وحرکت کی آہٹ کہ اچانک کان میں آواز پڑی، کوئی بلا رہا ہے، سفیان بن سعید! میں نے کہا کہ جناب سفیان حاضر ہے۔ اس نے کہا آپ کو یاد ہے؟ ایک دن آپ نے خواہشِ نفسانی پر خدا تعالیٰ کو ترجیح دیتے ہوئے خواہش کو ترک کر دیا تھا، میں نے یقیناً کہا بخدا، میرا یہ کہنا ہی تھا کہ ہر طرف سے مجھ پر سب چیزیں قربان ہونے لگیں۔

ترکِ خواہشات قبولیت کا سبب

(خلیفہ) ابو جعفر (منصور عباسی) نے مکہ شریف کی طرف چلتے وقت، خشابین (جلادان وصلیب افسران) کو یہ کہتے ہوئے روانہ کیا کہ سفیان (شاید ثوری) جہاں ملے سولی چڑھا دو تو انہوں نے مکہ شریف پہنچ کر سولی نصب کر دی۔ اور تلاش وتفتیش شروع کر دی سفیان چونکہ اس وقت فضیل (بن عیاض) کی پناہ میں تھے، اس لیے اس کے ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ خدا سے خوف کیجئے اور دشمنوں کو خندہ زنی کا موقعہ مت دیجئے۔ فضیل اٹھے اور بیت اللہ میں آکر غلافِ کعبہ کو پکڑ لیا اور دعا کی، خدایا! ابو جعفر مکہ میں آپہنچے تو میں

سفیان کی حفاظت سے بری الذمہ ہوں۔ تو مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ابو جعفر کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا۔ مخالفتِ خواہشات کا نتیجہ دیکھئے۔ اس نے فضیل کو کس درجہ ومقام پر پہنچا دیا۔

ترکِ خواہشات کے ثمرات و برکات

(۴۹) خواہشات کی مخالفت سے دنیا وآخرت کا شرف اور ظاہر و باطن کی عزت حاصل ہوتی ہے مگر ان کی اتباع واطاعت سے انسان کو دنیا وآخرت میں رسوائی، اور ظاہر و باطن میں ذلت نصیب ہوتی ہے۔ اور جب تمام لوگ میدانِ محشر میں جمع ہوں گے تو فرشتہ یہ منادی کرے گا، آج سب کو پتہ چل جائے گا کہ آج کے روز اہلِ کرم کون ہیں؟ خبردار! متقی پرہیزگاروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اٹھیں اور اپنے عز وشرف کے مقام میں تشریف لے جائیں تو وہ اٹھ کر اپنے اپنے مقامات میں چلے جائیں گے لیکن پرستارانِ خواہشات، خواہشاتِ نفسانیہ کی بدولت اوندھے منہ کئے ہوئے وہیں اپنی مصیبت اور خواہشات کے پسینہ وگرمی اور دھوپ میں کھڑے ہوں گے اور ادھر وہ عرشِ الٰہی کے سایہ میں عیش وخوشی اور پورے سکون وصبر اور آرام واطمینان سے بیٹھے ہوں گے۔

عرشِ الٰہی کے سایہ میں

(۵۰) آخرت میں جن سات قسم کے لوگوں کو عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ ملے گی، غور وتامل سے دیکھا جائے تو یہ وہی لوگ ہوں گے جو مخالفتِ خواہشات کی بدولت اس مرتبہ پر فائز المرام ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ طاقت ور اور غالب ومسلط بادشاہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر ہی عدل وانصاف کر سکتا ہے، اسی طرح جوانی کی امنگوں پر عبادتِ الٰہی کو ترجیح دینے والے نوجوان میں ترک خواہشات کا مادہ نہ ہو تو وہ کبھی اس پر قادر نہ ہو سکے۔ جس کا دل خانہِ خدا اور مساجد سے لگ چکا ہے وہ لذات اور خواہشات کے سب مقامات پر لات مار کر ہی مسجدوں میں بیٹھ سکتا ہے ورنہ ہر طرف منہ اٹھائے پھرے، اسی طرح جو شخص صدقہ دیتے ہوئے اس قدر اخفا کرتا ہے کہ دوسرے ہاتھ تک کو خبر نہیں لگنے دیتا آخر وہ کون سی چیز ہے جو اسے اس قدر اخفا پر مجبور کرتی ہے۔ جیسے ایک اعلیٰ خاندان کی جمیل وخوبصورت عورت

خواہشِ نفسانی کے لیے بن بلائے خود دعوت دے رہی ہو، اور وہ خوفِ خدا سے کانپ اٹھے تو یہ بھی مخالفتِ خواہشات ہی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح جو شخص تنہا خالی مقام میں بیٹھ کر اپنے پروردگار کو یاد کر رہا ہے اور اس کے خوف سے ڈرتے ہوئے زار و قطار رو رہا اور آنسو بہا رہا ہے، آخر اس حالت تک پہنچانے کے لیے وہ کون سا ہاتھ ہے جو پس پردہ کام کر رہا ہے۔

خواہشات پرست اور میدانِ محشر کی سختیاں:

یہی وہ برگزیدہ اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے میدانِ محشر کی شدت و سختی، دھوپ اور پسینہ کو ایسے بہترین لوگوں سے کچھ واسطہ نہیں ہوگا۔ مگر اس کے برعکس خواہش پرستوں کا یہ حال ہوگا کہ دھوپ سے پگھل رہے ہوں گے اور پاؤں سے سر تک پسینہ میں غرق اور ڈوبے ہوئے ہوں گے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اس حالت کے بعد قیدِ خانۂ خواہشات کے داخلہ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ عز و جل سے درخواست ہے کہ ہمیں نفسِ امارہ کی خواہشات سے پناہ دے اور ہماری تمام خواہشات کو محض اپنی رضا و محبت کی اطاعت کے لیے وقف فرما لے وہ سب کاموں پر قادر اور اجابتِ دعا کا اہل ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَیْر



ہماری کتب



اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

+92 42 373 61 505, +92 333 43 34 804, +92 324 43 36 123

darulkutab.al.salafiyyah@hotmail.com

darulkutab.al.salafiyyah@gmail.com